شفاعت رسول ﷺ کا مستحق؟

جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لكل نبى دعوة مستجابة فتعجل كل نبى دعوته وانى اختبأت دعوتى شفاعة لامتى يوم القيامة فهى نائلة ان شاء اللّٰه من مات من امتى لا يشرك باللّٰه شيئا.))

(صحيح مسلم، رقم الحديث: ١٩٩)

''ہر نبی کے لیے ایک دعا ایسی ہے جو ضرور قبول ہوتی ہے، تمام انبیاء علیہم السلام نے وہ دعا دنیا ہی میں مانگ لی لیکن میں نے اپنی دعا قیامت کے دن اپنی اُمت کی شفاعت کے لیے محفوظ کر رکھی ہے، میری شفاعت ان شاء اللہ ہر اُس شخص کے لیے ہوگی جو اس حال میں مرا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معمولی سا بھی شرک نہیں کرتا تھا۔''

رشتوں کی پہچان کا المیہ

میرے ایک رشتے کی بہن ہیں، ان کی والدہ میری والدہ کی چچازاد ہیں۔ اس بہن کی بیٹی نے میرے پاس قرآن حکیم کا ترجمہ پڑھنے کے لیے آنا شروع کیا۔ ان کا گھر دین سے خاصا دور اور جدید مغربی تہذیب سے بہت متاثر ہے۔ لڑکی کے بھائی امریکا اور لندن رہتے ہیں۔ گھر والے بھی گاہ گاہ اِن ممالک میں جاتے آتے رہتے ہیں۔ وہ مجھے آنٹی کہہ کر مخاطب کرتی تھی۔ ایک روز میں نے اس سے پوچھا: میں آپ کی رشتے میں کیا لگتی ہوں؟ اس نے کچھ دیر سوچا اور کہا: آپ ہماری آنٹی ہیں۔ میں نے کہا: آنٹی تو ہوں لیکن کس رشتے کی بنا پر؟ وہ کوئی جواب نہ دے سکی۔ میں نے اس سے پوچھا: بتاؤ تمھارے امی اور ابو کا میرے ساتھ کیا رشتہ ہے؟ اس کے ابو بھی میرے خالہ زاد بھائی ہیں۔ بچی کو یہ بھی معلوم نہیں تھا۔ پھر میں نے کہا: اچھا! یہ بتاؤ میں تمھاری نانی امی کو کیا کہتی ہوں؟ اس نے فوراً کہا: خالہ جان۔ میں نے کہا: چلیے اب غور کیجیے: آپ کا اور میرا کیا رشتہ ہے؟ لیکن اس کی سمجھ میں نہ تو یہ آیا کہ خالہ کسے کہتے ہیں اور نہ ہی وہ یہ بتا سکی کہ آنٹی کسے کہتے ہیں!

یہ بچی اس وقت میٹرک کے پیپر دے چکی تھی۔ مجھے اس کی رشتوں کی پہچان کا یہ حال دیکھ کر خیال آیا کہ قصور اس بچی کا نہیں، ان ماں باپ کا ہے جو بچوں کو ان کے رشتوں کی سوجھ بوجھ نہیں دیتے۔ یا پھر اس معاشرے میں رواج پا جانے والی زبان کا قصور ہے جو ہر باپ برابر یا باپ سے بڑے مرد کو انکل اور ماں برابر یا ماں سے بڑی عورت کو آنٹی کے نام سے متعارف کرواتی ہے۔ دنیا کے ہر مرد اور عورت کے لیے ایک ہی نام استعمال کرتے کرتے بچہ اپنی پھوپھی، خالہ، چچا اور ماموں کی تمیز اور پہچان سے بھی خالی ہو جاتا ہے۔ اسے یہ پتا ہی نہیں چلتا کہ ایک سہیلی، گھر میں کام کرنے والی عورت، ایک پڑوسی اور والد کے بھائی بہنوں یا والدہ کے سگے بھائی بہنوں میں کیا فرق ہے۔

شریعت اس پر چچا، ماموں، خالہ، پھوپھی وغیرہ کے کیا حقوق عائد کرتی ہے؟ ان کی اولاد اُس کے ''کزن'' نہیں بلکہ چچیرے، ممیرے، خلیرے اور پھپیرے، بہن بھائی ہیں، جن کے ساتھ اس کے خون اور نسب کا قریبی رشتہ ہے۔ شریعت اسے یہ تاکید کرتی ہے کہ وہ اپنے ان تمام قرابت داروں کا خصوصی خیال رکھے، ان کا احترام کرے اور اُن سے محبت رکھے۔ اور بہ وقت ضرورت ان کی مدد کرنا صلہ رحمی کا تقاضا ہے۔ صلہ رحمی، جس کے کرنے سے اللّٰہ سے رشتہ جڑتا ہے اور جس کا حق ادا نہ کرنے سے اللّٰہ سے رشتہ ٹوٹ جاتا ہے۔

(اُم عبدمنیب)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا

بانی: مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ

سرپرست: مولانا ابوبکر صدیق السلفی حفظہ اللہ

24 جمادی الثانی 1435ھ جمعۃ المبارک 25 اپریل تا 01 مئی 2014ء

مسلک اہلحدیث کا داعی وترجمان

ہفت روزہ

الاعتصام

یکے از مطبوعات دارالدعوۃ السلفیۃ

شمارہ 17 جلد 66

خط کتابت کے لیے : ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور

کرنٹ اکاؤنٹ نمبر : ABL 2466-4 بلال گنج برانچ، لاہور

فون نمبر : 042-3735 4406

فیکس نمبر : 042-37229802

رجسٹرڈ نمبر : CPL : 12

E-Mail: al.aitisam@gmail.com

بدل اشتراک

فی پرچہ : 12/- روپے

سالانہ : 500/- روپے

بیرونی ممالک سے : 200/- ریال، 60/- ڈالر امریکی

پرنٹر: پرنٹ یارڈ پرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاکر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

اداریہ

دُور کی کوڑی

حافظ احمد شاکر

ہم کس قدر خوش نصیب ہیں کہ اسلام جیسا دین ہمیں ملا۔ ایک ایسا دین جس میں معاشرت کے اخلاق...... باہمی روپے...... بھی ہیں، تجارت کے اُصول بھی ہیں، معاش کے ضابطے بھی ہیں، لین دین کی راہ نمائی بھی ہے، سیاست کے قاعدے بھی ہیں اور حکمرانی کے طریق بھی۔

اپنا اپنا خیال اور رائے ہے ہمارے خیال میں اسلام کا شروع سے حریف صلیب ہے، دنیا پہ چھا جانے کی خواہش کے باعث یہود صلیب کو ہمیشہ اسلام سے متصادم و متحارب رکھتے رہے اور رکھ رہے ہیں جس پر ان کا سرمایہ تو بے شک خرچ ہوتا ہے لیکن ان کی افرادی قوت...... جو پہلے ہی بہت کم ہے...... محفوظ رہتی ہے۔ چنانچہ...... خاکم بدہن...... اسلام کو مٹانے اور مسلمانوں کو دنیا میں نیچا دکھانے، ان کے دلوں سے روح محمدی نکالنے، مغربی تعلیم سے ان کی ذہنیت تبدیل کرنے اور خصوصی طور پر مسلمانوں کے دل و دماغ سے جہاد کی اہمیت، فضیلت اور برکت پر ایمان کو کھرچنا صلیب کا اہم بلکہ اس کا بنیادی مقصد تھا، اور ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوا کہ سیاست کے لیے دین...... کم از کم حلال و حرام اور حقوق العباد...... کا علم اتنا ہی ضروری ہے جتنا سیاسی شعور، عالمی سیاسی شطرنج کے مہروں سے باخبری اور عالمی سوجھ بوجھ کا ادراک ہونا۔ علامہ اقبال نے اس لیے ہی کہا تھا

جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

صلیب یعنی چرچ دین کو چونکہ سیاست سے الگ کر چکا تھا اس لیے اس نے مسلمانوں میں یہ زہر پھیلانا شروع کر دیا کہ مذہب ہر ایک کا ذاتی معاملہ ہے اور سیاست مشترکہ فکر مندی۔ آج کل کے سیاستدان خصوصاً نو وارد اور نو آموز سیاستدان اسی سوچ کے حامل اور نقیب ہیں۔ جب کہ اسلام اپنی...... دین وسیاست کی...... جامعیت کے باعث اقوام عالم کی توجہ حاصل کرنے میں تیزی سے کامیاب ہو رہا ہے۔

متحدہ ہندوستان پر صلیبی استبداد کی تاریخ دیکھئے، کم وسیلہ طبقوں تک صلیبی مشنریوں کی پہنچ دیکھئے، متحدہ ہندوستان کے دفاتر میں مروج ...... فارسی...... زبان کی تبدیلی کے ذریعے اخلاقی و معاشرتی تنزلی ملاحظہ فرمایئے اور علم برائے معاش کی منظم دسیسہ کاری کا جائزہ لیجئے تو نظر آئے گا کہ مسلم اُمہ کے تنزل وادبار کا...... نصاب تعلیم کی تبدیلی سے...... جو پروگرام اس نے شروع کیا تھا وہ اب اس منزل تک پہنچ چکا ہے کہ نصاب تعلیم میں سے قرآن کریم کی آیات خصوصاً جہاد سے متعلقہ آیات قرآنیہ نکالنے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خصوصاً ان کے جہادی معرکوں کے تذکرے خارج کرنے، نصاب تعلیم میں سے احادیث کے اندراج سے گریز کرنے حتیٰ کہ قومی دانشوروں اور شعراء کے نظم و نثر کے وہ حصے بھی اس کو برداشت نہیں ہو رہے جس سے قومی جذبوں کو انگیخت ہوسکتی تھی۔ یہ تھی صلیبی نصاب تعلیم کی وہ مراد جسے پورا کرنے میں شاید اسے ایک صدی سے زیادہ عرصہ لگ گیا اور یہ ہوتی ہے دشمن...... اسلام...... کی زہر رسانی جو شریانوں تک پہنچ کر خمیر و ضمیر متاثر کر کے دینی فکر کے سوتے خشک اور ع

غیرت نام تھا جس کا گئی وہ تیمور کے گھر سے۔ والی کیفیت سے قوموں کو دوچار کر دیتی ہے۔

گزشتہ دنوں برادر اسلامی ملک المملکۃ العربیۃ السعودیۃ نے وطن عزیز کو جو ڈیڑھ ارب ڈالر بھیجے تھے اس نے لادین طبقوں کے دل و دماغ بلکہ پیٹ میں ابھی تک اودھم مچا رکھا ہے۔ چنانچہ اس پر ورلڈ کپ کے چیمپین، شوکت خانم کے بانی، برطانوی یہودیوں کے سابق داماد اور پاکستانی سیاست کے غیر خاندانی اور غیر روایتی سیاستدان جناب عمران خاں صاحب ۱۱؍اپریل کے روزنامہ ''دنیا'' میں گل افشانی فرماتے ہوئے یہ دور کی کوڑے لائے ہیں کہ سعودی عرب سے آنے والا ڈیڑھ ارب ڈالر فرقہ واریت کے لیے استعمال ہوگا۔ لیکن جناب خاں صاحب سسرال سے آئے ہوئے اس ایک ارب ڈالر کو بھول ہی گئے جو گورڈن براؤن تعلیم کے نام پر پاکستانی بچوں کی ذہنی تخریب کے لیے دے کر گئے ہیں، جس کو

بچوں کے لیے آئی۔ٹی کے نام پر رقص وموسیقی اور جنسی تعلیم پر صرف کیے جانے کے خدشات پائے جاتے ہیں۔حقیقت حال یہ ہے کہ فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا سب سے تابناک مظاہرہ حرمین شریفین میں اس وقت دیکھنے میں آتا ہے جب وہاں مختلف المسالک کے مسلمان ایک ہی امام کے پیچھے نماز ادا کرتے نظر آتے ہیں جو دنیا میں اور کہیں نہیں دیکھا جا سکتا۔سعودی حکومت اگر عقیدہ توحید سے عالم اسلام کے مسلمانوں کو آگاہ کر رہا ہے، اس عقیدے کی حفاظت کر رہا ہے تو یہ فرقہ واریت نہیں بلکہ دین اسلام کا وہ سبق ہے جو تمام انبیاء علیہم السلام لے کر مبعوث ہوئے اور آسمانی نازل شدہ کتابوں کا بنیادی سبق ہے۔حکومت سعودیہ دنیا بھر کے بلاتمیز مذہب وملت مصیبت زدہ انسانوں کی ہر ممکن اور ہر موقع پر مدد کے لیے بتوفیقہ تعالیٰ مستعد رہتی ہے۔چھت کے خواہش مندوں کے لیے مکان، بیماروں کے لیے علاج، بھوکوں کے لیے خوراک اور ضرورت مندوں کے لیے لباس، عامۃ المسلمین کے لیے مساجد، اسلامک سینٹر مہیا کرنا، تعمیر کرنا اس کے بنیادی اُمور خیر میں سے ہے۔پاکستان کے اس مشکل وقت میں اس کے مخلصانہ تعاون کو فرقہ واریت کی طرف منسوب کرنا؟ جسے طاغوت کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو جانا بھی کہا جا سکتا ہے اور جناب خاں صاحب کی مشرف کی حمایت سے لے کر خاندانی جاگیرداروں اور پشتینی ٹوڈیوں کو جماعت میں شامل کرنے تک کی......سیاسی......بالی عمریا کی باتیں بھی، جن کے باعث خاں صاحب اپنا کوئی ایسا سیاسی مقام نہ بنا سکے جس پر ان کو صاحب الرائے کہا جا سکے۔دور حاضر کی سیاست تو مچھندروں اور قلندروں کا کھیل ہے یہ کوئی پندرہ بیس رکنی کرکٹ ٹیم تو نہیں کہ جس پر گرفت مضبوط کی جا سکے اور اپنا حکم منوایا جا سکے یہ سیاست تو ع

طوائف گھری ہوئی ہے تماش بینوں میں۔والی کیفیت ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ جناب خاں صاحب فرقہ واریت کے مفاہیم سے آشنا بھی ہیں کہ نہیں۔ہماری درخواست ہے کہ سیاست میں وارد ہونے سے قبل مغربی تعلیم وثقافت کی خباثتوں پر ان کے نام سے جو مضامین چھپتے رہے وہ انھیں ہی موضوع بحث بنائیں۔ویسے ان کی رفاہی اور تعلیمی سرگرمیاں ہی اس قدر ہیں کہ وہ اگر سیاست کی طوائف......کی زلف گرہ گیر کے اسیر نہ ہی ہوں تو بہتر ہے۔اسی میں ان کی ذات گرامی سمیت بہتوں کا بھلا ہوگا۔

پرزور مذمت:

وطن عزیز کے خیر خواہ پاکستانی سیاست کی بعض شخصیات، حکومت اور اس کے بعض اداروں نے جب سے طالبان سے مذاکراتی عمل کا ڈول ڈالا ہوا ہے تب سے ایک مخصوص طبقہ ان کو سبوتاژ کرنے کے لیے مختلف سازشیں، پروپیگنڈے اور افواہیں پھیلانے میں کوشاں ہے۔بحمد للہ عساکر پاکستان اور حکومت کے مابین مجموعی طور پر فاصلے کم ہو رہے ہیں۔اخبارات کے مطابق حکمران ماحول خوش گوار اور سازگار رکھنے کے لیے سیاستدانوں سے بھی رابطہ رکھے ہوئے ہے لیکن دین دشمن اور وطن عزیز میں افراتفری دیکھنے کا خواہش مند طبقہ ہر دفعہ نئی چال کھیل کر نیا فتنہ پھیلانے کے درپے رہتا ہے۔جب سے پرائیویٹ ٹی۔وی چینلز کی بھرمار ہوئی ہے تب سے آزاد میڈیا کے نام پر زرد صحافت انتشار پھیلانے والی خبروں میں، جسے کم از کم غیر محتاط......خبریں، جملے، تبصرے......تو یقیناً کہا جا سکتا ہے، جتی ہوئی ہے ملک دشمن عناصر کی افواہیں پھیلانے ان کے موہوم خدشات بتلانے کو اگر آزاد میڈیا کہا جائے تو ہم اس سے اِبا کرتے ہیں۔کہ احادیث میں تو ریہ کا جو ذکر آیا ہے وہ جنگی محاذ اور جنگی ارادے دشمن سے چھپانے کا نام ہے۔وطن عزیز کے بعض اداروں بلکہ اداروں کے بعض افراد کی کسی کمی کوتاہی کو سرعام بیان کرنے کو "کلمة حق يريد بها الباطل" کلمہ حق سے ارادۂ شر مراد لینا اگر کہا جائے۔اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

ہماری درخواست ہے کہ وطن عزیز کے کسی ادارے پر ذاتی خواہش اور رائے سے کسی قسم کی حرف گیری کرنا کسی بھی درجہ مستحسن نہیں۔جناب حامد میر پر قاتلانہ حملے کی ہم بھی پرزور مذمت کرتے ہیں کہ یہ بزدلانہ فعل ہے، لیکن حملے کے ساتھ اس کو وثوق کے انداز میں کسی ادارے کی طرف منسوب کرنے کی کوئی محبّ وطن تائید نہیں کر سکتا۔ٹی۔وی کا ہر اینکر پرسن جو کہے کیا اس کا سچ ہونا یقینی ہو سکتا ہے؟ ہم سب بشر ہیں، غلطی کا احتمال ہو سکتا ہے پھر عالمی ذرائع ابلاغ وطن عزیز میں جس طرح کی افراتفری اور انتشار دیکھنا چاہتے ہیں کم از کم ان کے ایجنڈے کو ہم تو آگے نہ بڑھائیں۔

درس قرآن

قسط نمبر ۵۰

تفسیر سورۃ الصّٰفّٰت

مولانا ارشاد الحق اثری ﷾

ائمہ کبار نے ''صدیقاً نبیاً'' اوران احادیث کے مابین کوئی تناقض نہیں سمجھا اور نہ ہی (معاذ اللہ) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کسی نے ''کذب'' کی نسبت کی ہے۔ کیوں کہ وہ سمجھتے تھے ''کذب'' کا اطلاق ہمیشہ خلاف واقعہ بات اور جھوٹ پر ہی نہیں ہوتا بلکہ یہ مختلف معانی میں مستعمل ہے۔ چنانچہ علامہ زبیدی نے ذکر کیا ہے کہ علامہ ابن الانباری نے اس پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور کہا ہے کہ ''کذب'' کا اطلاق پانچ طرح کی بات پر ہوتا ہے:

۱: خلاف واقعہ بیان کرے یا جو کچھ سنا ہے اس کے برعکس بیان کرے۔(یہ جھوٹ ہے جو کبیرہ گناہ ہے اور مروءۃ کے منافی ہے)

۲: ایسا قول جو بہ ظاہر کذب ہو مگر حقیقتاً کذب نہ ہو بلکہ واقعہ کے مطابق ہو۔ فرماتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کذب کی نسبت اسی معنی میں ہے کیوں کہ آپ کے تینوں اقوال بہ ظاہر خلاف واقعہ تھے مگر حقیقتاً صحیح اور درست تھے۔

۳: ''کذب'' کا اطلاق کلامِ عرب میں خطاو غلطی پر بہ کثرت مستعمل ہے۔ جناب ابومحمد سعود بن زید نے کہا کہ وتر واجب ہیں تو حضرت عبادہ بن صامت نے فرمایا: کذب ابو محمد. یہاں بھی جھوٹ نہیں بلکہ مراد ہے کہ ابومحمد نے خطا کی ہے۔

۴: اُمید خاک میں مل جائے تو اس پر کذب کا اطلاق ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ﴾[الانعام: ٢٤] کا مفہوم یہ ہے: "كيف بطل عليهم أملهم" یعنی دیکھو اُن کی اُمید کیسے باطل ہوگئی جو وہ اپنے معبودوں کی شفاعت کے بارے میں لگائے ہوئے تھے۔

۵: یہ بمعنی الاغراء، یعنی کسی کو برانگیختہ کرنے اور وجوب ولزوم کے لیے بھی کذب کا لفظ بولتے ہیں۔(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تاج العروس: ۱/ ۴۴۹، ۴۵۰)

جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کذب کا اطلاق ایک ہی معنی (جھوٹ) پر نہیں ہوتا بلکہ تعریض وتوریہ پر بھی کذب کا اطلاق کیا گیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام صدیق تھے مگر ان کے علو مرتبت کے اعتبار سے یہ تصدیق بھی فروتر تھی۔ ایسے ہی موقع پر کہا جاتا ہے:

"حسنات الابرار سيئات المقربين."

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہے:

﴿وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۝﴾

[الشعراء: ٨٢]

''اور میرا (رب) وہ ہے جس سے میں طمع رکھتا ہوں کہ وہ جزا کے دن میری خطا بخش دے گا۔''

غور فرمایئے وہ خطا کیا تھی جس کی بخشش کی انھیں اُمید تھی؟ سید کائنات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((إنه ليغان على قلبي واني لاستغفر الله في اليوم مائة مرة.)) (صحيح مسلم: ٢٧٠٢)

''بے شک حال یہ ہے کہ میرے دل پر پردہ کردیا جاتا ہے اور میں دن میں سو سو بار استغفار کرتا ہوں۔''

حالانکہ آپ تو ہر آن اللہ کی یاد میں رہتے تھے۔ جیسا کہ سیدہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ آپ ﷺ ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے تھے۔(صحیح مسلم: ۳۸۳)

علماء کرام نے لکھا ہے کہ یہ پردہ اور یہ غفلت اُمت کو سمجھانے، بجھانے، سماجی ومعاشرتی اور مدارتی معاملات کونبٹانے کے دوران میں ہوتی یا ترکِ اولیٰ کے اعتبار سے تھی۔ یہ پردہ (معاذ اللہ) کسی خطا یا غلطی کا نتیجہ نہ تھا کہ اس پر آپ دن میں سوسو بار استغفار کرتے تھے۔

ایک عمل کا اجر و وزر عامل کے مقام ومرتبہ کے اعتبار سے بھی ہوتا ہے اور عمل کے لحاظ سے بھی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے فرمایا ہے:

﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا﴾ [الاحزاب: ٣٠]

''اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو کھلی بے حیائی (عمل میں) لائے گی اس کے لیے عذاب دوگنا بڑھا دیا جائے گا اور یہ بات اللہ پر ہمیشہ سے آسان ہے۔''

اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا:

﴿وَ مَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَ اَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا﴾ [الاحزاب: ٣١]

''اور تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے گی اور نیک عمل کرے گی اسے ہم اس کا اجر دوبار دیں گے اور ہم نے اس کے لیے باعزت رزق تیار کر رکھا ہے۔''

علامہ سیوطی نے اسی موضوع پر ''مطلع البدرين فی من يؤتی أجره مرتين'' کے نام سے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں ان اعمال کا ذکر کیا ہے جن پر دوہرا اجر ملتا ہے اور ان اشخاص کا بھی تذکرہ کیا ہے جو دوگنا اجر کے مستحق ہیں۔



درسِ حدیث

اربعین اعتقادی

ترجمہ وفوائد
حافظ ریاض عاقب اثری

فرائد الفوائد في جمع الأربعين من أحاديث العقائد

باب: وزن الاعمال یوم القیامة حق ، لقول الله تعالى:

﴿وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَ كَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ o﴾[الانبياء: ٤٧]

عن أبی هريرة رضي الله عنه قال قال النبی صلى الله عليه وسلم : ((كلمتان حبيبتان إلى الرحمان ، خفيفتان على اللسان ، ثقيلتان فی الميزان ؛ سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم .))

(صحيح بخاری: ٧٥٦٣ ، صحيح مسلم: ٢٦٩٤)

روز قیامت وزنِ اعمال برحق ہے:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''اور ہم قیامت کے دن ایسے ترازو رکھیں گے جو عین انصاف ہوں گے، پھر کسی شخص پر کچھ ظلم نہ کیا جائے گا اور اگر رائی کے ایک دانہ کے برابر بھی عمل ہوگا تو ہم اسے لے آئیں گے اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں۔''

جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''دو کلمے ایسے ہیں جو رحمان کو بہت ہی محبوب ہیں، زبان پر بڑے ہلکے ہیں اور (قیامت کے دن) اعمال کے ترازو میں بڑے وزنی ہوں گے (اور وہ یہ ہیں:) ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ'' (پاک ہے اللہ اپنی حمد کے ساتھ، پاک ہے اللہ جو عظمت والا ہے)۔''

فوائد:

۱: اولادِ آدم کے اعمال واقوال کا قیامت کے دن وزن ہونا برحق ہے۔ انھی اقوال واعمال پر جزا وسزا مرتب ہوگی۔

۲: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کے اعمال کا پورے عدل وانصاف کے ساتھ وزن کرے گا کسی پر کوئی ظلم وستم نہیں ہوگا۔

۳: چھوٹے سے چھوٹے عمل کو بھی اللہ تعالیٰ سامنے لائے گا۔

۴: عصر حاضر کی سائنسی ایجادات نے ثابت کر دیا ہے کہ اعراض کا وزن کرنا ممکن ہے۔

۵: اس سے معتزلہ اور دیگر فرق باطلہ کا رد ہوتا ہے جو میزان کا انکار کرتے ہیں اور اعمال واقوال کے وزن ہونے کو بعید از عقل سمجھتے ہیں۔

۶: وزن یا میزان سے عدل مراد لینا باطل تاویل ہے جو قرآن وسنت کے واضح دلائل ونصوصِ باہرہ اور اجماعِ سلف کے مخالف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

۷: حدیث میں مذکور دو کلمات (سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ) کی اہمیت وفضیلت اُجاگر ہوتی ہے کہ یہ کلمات کل قیامت کے روز ترازو میں بڑے وزنی ہوں گے۔

۸: عقائد کے باب میں بھی خبر واحد حجت ہے جیسا کہ مذکورہ حدیث خبر واحد ہے۔ یہی موقف راجح ہے۔ مزید تفصیل کے لیے شیخ البانی رحمہ اللہ کی کتاب ''الحديث حجة بنفسه'' کا مطالعہ مفید رہے گا۔



تحقیق وتدقیق

ایصالِ ثواب کن طریقوں سے ممکن ہے؟

مفتی عبید اللہ خان عفیف حفظہ اللہ

سوال: کیا اہل حدیث ایصالِ ثواب کے قائل ہیں؟ اور یہ کہ ایصالِ ثواب کن طریقوں سے ہوسکتا ہے؟ کیا میت کی طرف سے قربانی، حج، قرآن خوانی وغیرہ سے؟ براہ مہربانی تفصیلی جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الله الوهاب ومنه الصدق والصواب. اہل حدیث ایصالِ ثواب کے قائل ضرور ہیں مگر مطلق طور پر قائل نہیں، یعنی قرآن خوانی، سوم، ہفتم، چہلم اور عرس وغیرہ کے قائل نہیں کیوں کہ ایصالِ ثواب کے جتنے مشروع (جائز) طریقے کتاب وسنت سے ثابت ہیں ان میں قرآن خوانی، سوم، ہفتم، چہلم اور عرس وغیرہ بدعتی رسموں کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔

شیخی وشیخ الشیوخ حضرت الحافظ محمد گوندلوی (رحمه الله تعالى وطاب ثراه) نے اپنے مایہ ناز رسالے ''اہدائے ثواب'' میں اس مسئلے پر تحقیق کا حق ادا فرمایا ہے۔ اس کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

فرماتے ہیں کہ کتاب وسنت میں ایصالِ ثواب کے تین ہی مشروع طریقے ہیں: (۱) دعا، (۲) صدقہ جاریہ اور (۳) نیابت۔

① ...... **دعا**: دعا کے بارے میں تو سب کا اتفاق ہے کہ میت اگر کافر ومشرک نہ ہو تو اس کے لیے دعا کرنا مسنون عمل ہے اور اولاد صالح کی دعا والدین کے لیے صدقہ جاریہ ہے۔ مومن کی دعا دوسرے مومن کے لیے قبول ہوتی۔ اَخلاف (بعد میں آنے والوں) کا اَسلاف (بزرگ ائمہ دین وغیرہ) کے حق میں دعا منصوص امر ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾

[الحشر: ۱۰]

''اور جو لوگ ان کے بعد آئے وہ کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور یمان والوں کے لیے ہمارے دل میں کینہ اور دشمنی نہ ڈال، اے ہمارے رب! بے شک تُو شفقت ومہربانی کرنے والا ہے۔''

ہر اَذان کے بعد اُمت مسلمہ رسول اللہ ﷺ کے لیے اللہ عزوجل سے وسیلہ، فضیلت اور مقام محمود کی دعا کرتی ہے۔ غرض، زندوں کی طرف سے فوت شدگان کے لیے دعا بہترین تحفہ ہے۔

② ...... **صدقہ جاریہ**: یعنی مومن اپنی زندگی میں ایسا کام کر جائے جس سے وفات کے بعد اس کو فائدہ پہنچے۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ترمذی اور ابن ماجہ کی احادیث کو جمع کرنے سے ایسے صدقات جاریہ کی تعداد دس تک پہنچتی ہے، مثلاً: (۱) علم سکھانا، (۲) نیک اولاد کی دعا، (۳) قرآن مجید چھوڑ جانا، (۴) مسجد بنوانا، (۵) سرائے تعمیر کرنا، (۶) نہر جاری کرنا، (۷) کوئی صدقہ جو صحت اور حیات کی حالت میں کیا، (۸) مردہ سنت کو زندہ کرنا، (۹) جہاد میں مرنا اور (۱۰) شجر کاری کرنا، کھیتی بونا۔

ثواب جاریہ کے متعلق صحیح مسلم کی اس مشہور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کے بعد صرف تین ہی چیزوں کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اذا مات الانسان انقطع عمله الا من ثلاثة: الا من صدقة جارية ، أو علم ينتفع به ، أوولد

صالح يدعو له .))(صحيح مسلم:٢/ ٤١)

''جب انسان فوت ہو جائے تو اس کا عمل بند ہو جاتا ہے، صرف تین چیزیں باقی رہتی ہیں: (۱) صدقہ جاریہ (۲) علم جس سے فائدہ اُٹھایا جائے اور (۳) صالح اولاد جو اس کے حق میں دعا کرے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إن مـمايلحق المؤمن من عمله و حسانته بـعد موته علما علمه ونشره ، وولدا صالحا تركه ، ومصحفا ورثه ، أومسجدا بناه ، أو بيتا لابـن السبيـل بناه ، أو نهرا أجراه ، أو صدقة أخـرجها من ماله في صحته و حياته ، يلحقه من بعد موته .))(سنن ابن ماجه:١/ ٢٢)

''جب مومن انتقال کرتا ہے تو اس کا عمل ختم ہو جاتا ہے مگر ان (سات) چیزوں کا ثواب مرنے کے بعد بھی پہنچتا ہے: (۱) ایسا علم جو کسی سکھایا ہو یا اس کی نشر و اشاعت کی ہو، (۲) نیک اولاد اپنے پیچھے چھوڑی ہو، (۳) قرآن مجید کا کوئی نسخہ چھوڑ گیا ہو (اور لوگ اسے پڑھتے ہوں)، (۴) کوئی مسجد بنوائی ہو، (۵) مسافروں کے لیے سرائے تعمیر کی ہو، (۶) کنواں یا نہر کھدوائی ہو، (۷) ایسا صدقہ جو اس نے اپنی زندگی اور تن درستی میں کیا ہو۔ان چیزوں کا ثواب اس کے مرنے کے بعد بھی اسے پہنچتا رہے گا۔''

③......**نیابت**: ایصالِ ثواب کی تیسری قسم نیابت ہے، یعنی میت کی طرف سے کوئی شخص نائب ہو کر عملِ خیر کرے۔اس سلسلے میں حسب ذیل اُمور لحاظ کرنا ضروری ہے:

۱۔ نائب کے اندر نیابت کی اہلیت موجود ہو۔احادیث نیابت میں تذکرہ یا تو بیٹے کا ہے یا ولی کا یا قریبی رشتہ دار کا۔اور اجنبی کی نیابت کے بارے میں کوئی دلیل موجود نہیں۔

۲۔ نیابت صرف مسلمان کی طرف سے کی جا سکتی ہے۔

۳۔ صحیحین (بخاری و مسلم) میں صرف دو چیزوں میں نیابت کا ذکر ہے: حج اور روزہ۔جب کہ دیگر عبادات میں نیابت ثابت نہیں۔ تعبدات شرعیہ میں کوئی شخص دوسرے شخص کے قائم مقام نہیں ہوسکتا۔ مکلّف کی جگہ غیر مکلّف کام نہیں دے سکتا۔نہ محض نیت کرنے سے اس کا عمل منتقل ہوسکتا ہے اور نہ ہی اسے انجام دینے سے وہ عمل اس کے حق میں ثابت ہوسکتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

❁......﴿وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴾[الانعام:١٦٤]

اور جو شخص بھی کوئی عمل کرتا ہے وہ اسی پر رہتا ہے اور کوئی دوسرے کا بوجھ نہ اُٹھائے گا۔''

❁......﴿وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴾ [النجم:٣٩]

''اور یہ کہ ہر انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی کوشش خود اُس نے کی۔''

نیز نیابت کا یہ عمل عقل اور حکمت کے بھی خلاف ہے کیوں کہ عبادت کی روح تقویٰ اور اخلاص پر ہے۔ عجز و انکساری، خشوع خضوع، حضورِ قلب اور انابت الی اللہ یہ تمام صفات عامل کے ساتھ مخصوص ہیں کیوں کہ یہ دل کے اعمال ہیں جو صاحبِ دل ہی کے ساتھ متصف ہو سکتے ہیں۔اس لیے نائب کسی طرح بھی وہ قلبی کیفیات اپنے اندر نیابت کے وقت پیدا نہیں کرسکتا جو منوب عنہ کے ساتھ مخصوص ہیں۔یہ تو ممکن ہے کہ مالی عبادات میں کوئی دوسرے کی طرف سے زکات اور قرض ادا کر کے منوب عنہ کو سبک دوش کر دے لیکن عبادات میں تو اس قسم کی نیابت ممکن ہی نہیں کیوں کہ اعمال کی قبولیت کے لیے جن اوصاف کی ضرورت ہے نائب ان میں نیابت کر ہی نہیں سکتا۔اگر نیابت عبادات بدنیہ میں جائز ہوتی تو اعمال قلبیہ میں

بھی درست ہونا چاہیے تھی۔ ایمان، صبر، شکر، رضا، توکل، خوف، رجاء وغیرہ اگر یہ سلسلہ اسی طرح دراز ہوتو سارا دین ہی نیابت پر چل سکتا ہے، پھر نہ فرد کے ایمان کی اہمیت، نہ اعمال کے لیے ریاضت کی حاجت اور نہ ہی صبر و استقامت کی ضرورت۔ بس سارے اُمورِ دین نیابت اور وکالت کی بنیاد پر ایک دوسرے کے ذریعے طے پاتے رہیں گے۔ اس طرح نہ اصل قاتل سے قصاص کی ضرورت نہ اصل مجرمین پر حدود کے اجرا کی ضرورت، بس صرف نائبین کافی رہیں گے۔

نیابت کا مشروع طریقہ:

نیابت کے بارے میں صحیح احادیث کے مجموعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف حج اور روزہ میں نیابت جائز ہے باقی اُمور میں نہیں۔

۱.میت کی طرف سے حج: صحیح بخاری میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قبیلہ بنوجہینہ کی ایک عورت نبی ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی: میری والدہ نے حج کی نذر مانی تھی اور وہ حج کیے بغیر وفات پا گئی۔ کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ تو نبی ﷺ نے فرمایا:

((حجي عنها، أرأيت لو كان على أمك دين أكنت قاضية! أقضوا الله فالله أحق بالقضاء.)) (صحيح بخاري: ١/ ٢٥٠)

''اس کی طرف سے حج کرو۔ بتاؤ اگر تمھاری والدہ پر قرض ہوتا تو کیا تم اسے ادا کرتی؟ اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرو۔ اللہ تعالیٰ کا حق ادائیگی کا زیادہ مستحق ہے۔''

زندہ کی طرف سے نیابت کے لیے اس کے عجز اور عدمِ استطاعت کی شرط ضروری ہے، یعنی آدمی زندہ ہو مگر اتنا مجبور ہو کہ اپنا فرض خود نہ پورا کر سکتا ہو تو اپنی زندگی ہی میں کسی دوسرے شخص کو اپنا نائب بنا کر فرض کی ادائیگی سے سبک دوش ہو سکتا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے:

"عن عبدالله بن عباس رضي الله عنهما جاءت إمراة من خثعم عام حجة الوداع فقالت: يا رسول الله ﷺ! إن فريضة الله على عباده في الحج أدركت أبي شيخا كبيرا لا يستطع أن يستوى على الراحلة، فهل يقضى عنه أن أحج؟ قال: ((نعم.))" (صحيح بخاري: ١/ ٢٥٠)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ خثعم قبیلے کی ایک عورت نے حجۃ الوداع کے دوران رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ بے شک اللہ کا اپنے بندوں پر حج کے بارے میں جو فرض ہے اس نے میرے بوڑھے والد کو اس حال میں پایا ہے کہ وہ سواری پر بیٹھ نہیں سکتا۔ اگر میں اس کی طرف سے حج کروں تو کیا اس کا فریضہ پورا ہو جائے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں پورا ہو جائے گا۔''

نیابت والے حج کو ''حج بدل'' کہا جاتا ہے جس کے لیے ازبس ضروری ہے کہ ''حج بدل'' کرنے والا شخص پہلے اپنا حج کر چکا ہو، جیسا کہ ابوداود میں ہے:

"عن ابن عباس رضي الله عنهما أن النبي ﷺ سمع رجلا يقول: لبيك عن شبرمة. قال: ((من شبرمة؟)) قال: أخ لي أو قريب لي. قال: ((حججت عن نفسك؟)) قال: لا. قال: ((حج عن نفسك ثم عن شبرمة.))"

(سنن أبي داود: ١/ ٢٦٥، سنن ابن ماجة، ص: ٢٠٨)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو ''لبيك عن شبرمة'' (میں شبرمہ کی طرف سے حاضر ہوں) کہتے ہوئے سنا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: شبرمہ کون ہے؟ اس نے کہا کہ وہ میرا بھائی ہے یا کہا کہ وہ میرا قریبی رشتہ دار ہے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم نے اپنا حج ادا کیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پہلے اپنا حج ادا کرو، پھر شبرمہ کا کرنا۔''

نوٹ: لبیک کہنے والے کا نام نبیشہ ہے،جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے وضاحت فرمائی ہے۔

فائدہ:

اگر اولاد والدین کی طرف سے ان کی وصیت یا بغیر وصیت کے حج کرے تو جائز ہے۔اسی طرح والد یا والدہ نے صدقہ دینے کا پختہ وعدہ کرلیا ہو اور فوت ہو گئے ہوں تو اولاد کو ان کی طرف سے صدقہ دینا چاہیے۔

۲.روزے میں نیابت: حج کی طرح روزے میں بھی نیابت جائز ہے۔البتہ اس میں ضروری ہے کہ منوب عنہ (جس کی طرف سے روزہ رکھا جارہا ہے) وفات پا چکا ہو کیوں کہ زندہ شخص کی طرف سے روزہ رکھنے کی اجازت ثابت نہیں:

"عن عائشة رضي الله عنها أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ((من مات وعليه صيام صام عنه وليه .))"

(صحيح بخاری: ١/ ٢٦٢ ، صحيح مسلم:١/ ٣٦٢ ، سنن أبي داود ، ص:٢٤٧)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مر جائے اور اس پر روزے ہوں تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں اس حدیث کے تحت ارقام فرماتے ہیں کہ بعض اہل ظاہر قضا روزوں کے وجوب کے قائل ہیں اور اہل حدیث کا مسلک بھی یہی ہے کہ میت کی طرف سے روزے رکھے جاسکتے ہیں۔

نیابت اور اِہداء کا فرق:

شیخی حضرت محدث گوندلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض حضرات ایصالِ ثواب کے ثبوت میں حج بدل، نیز روزہ اور صدقہ والی احادیث کا ذکر کرتے ہیں۔ جب کہ نیابت اور اِہداء میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ نیابت میں عامل اپنے آپ کو دوسرے شخص کے قائم مقام قرار دیتا ہے،مثلاً: حج میں یوں کہتا ہے:''لبيك عن فلان''(اے اللہ! میں فلاں شخص کی طرف سے حاضر ہوں۔) یا دل میں نیت کرے کہ میں فلاں کی طرف سے حج کررہا ہوں۔ جب کہ اِہدائے ثواب کی صورت یہ ہے جو اپنی طرف سے اور بعد میں کہے: یا اللہ! میرے اس حج کا ثواب فلاں شخص کو دے۔تو اس کی پہلی شکل تو ثابت اور منصوص ہے دوسری شکل بہ قول مولانا اسماعیل شہید رحمہ اللہ بدعت حقیقیہ ہے، چنانچہ'' ايضاح الحق الصريح فی احكام الميت و الضريح ''میں لکھتے ہیں:

''زندوں کا مردوں کو عبادت کا ثواب بخشنا بدعت حقیقیہ ہے بہ خلاف مالی عبادات نیابت کے کہ وہ اصل میں صحیح ہے۔''

شاہ ولی اللہ بھی عبادات میں حج اور صدقہ کے علاوہ ایصالِ ثواب کے قائل نہیں۔علماء حنابلہ بھی شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں:

"وقال شيخنا:لم يكن من عادة السلف إهداء ذلك إلى موتى المسلمين بل كانوا يدعون لهم فلا ينبغي الخروج عنهم . "

''مردوں کو ثواب پہنچانا سلف کا دستور نہ تھا،وہ صرف ان کے لیے دعا کرتے تھے۔''



تصحیح

گزشتہ شمارے میں''امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ'' کتاب پر تبصرہ میں ناشر کا نام نعمانی کتب خانہ کمپوزنگ کی غلطی سے شائع ہو گیا تھا۔اصل میں یہ''نعمان پبلی کیشنز'' تھا۔احباب تصحیح فرمالیں۔(ادارہ)



تعلیم وتربیت

دعوت وتبلیغِ دین اور ہمارے اسلاف!

مولانا محمد یوسف انور، فیصل آباد

حال ہی میں وزارت داخلہ کی جانب سے داخلی سلامتی کو یقینی بنانے اور دہشت گردی سے نپٹنے کے لیے جو ۳۵ نکاتی ایکشن پلان تیار کیا گیا ہے اس میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ انتہا پسندی کی بڑھتی ہوئی سوچ کو روکنے اور شدت پسندانہ رجحانات پر قابو پانے کے لیے علماء، مساجد و مدارس اور تعلیمی اداروں کی خدمات حاصل کی جائیں۔ وطن عزیز میں فرقہ وارانہ دہشت گردی کو فروغ دینے اور فروعی و مسلکی اختلافات کو آگے بڑھانے سے تحمل و بردباری کے فقدان اور عدم برداشت ورواداری کی جو مسموم فضا پیدا ہوئی ہے اس نے مفاد پرستوں اور دہشت گردوں کے لیے بہت سی آسانیاں پیدا کردی ہیں۔

دہشت گردی کے اس انداز کو فروغ دینے میں چونکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ سادہ لوح نوجوانوں ہی کو دین و مذہب کے نام پر ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اس لیے مؤثر طور پر انھیں روکنے کا کام بھی مذہبی دانش وَر، علماء اور مساجد و مدارس کے خطیب واساتذہ ہی کر سکتے ہیں۔ کیوں کہ ان کے پاس ایک ایسا مستقل پلیٹ فارم منبر ومحراب کی صورت میں موجود ہے جسے وسیع تر قومی مفاد اور ملک وقوم کی بہتری کے لیے مثبت انداز میں استعمال کرنے کی ترغیب دی جاسکتی ہے۔

دعوت وتبلیغ دین کا یہ مثبت انداز اور ایکشن پلان روزِ اول سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی مکرم محمد رسول اللہ ﷺ کو ذیل کی آیت مبارکہ کے ذریعے دے دیا تھا:

﴿ اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَ الۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ وَ جَادِلۡهُمۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ ﴾[النحل: ۱۲۵]

”اے نبی (ﷺ)! اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ دعوت دیجیے اور اگر بحث ومباحثہ کی ضرورت پیش آئے تو اس میں بھی خوب صورت طرز تکلّم اختیار کیجیے۔“

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿وَ عِظۡهُمۡ وَ قُلۡ لَّهُمۡ فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ قَوۡلًۢا بَلِیۡغًا﴾[النساء: ٦٣]

یعنی انھیں ایسی نصیحت کیجیے جو ان کے دلوں میں اُتر جائے، اس لیے قول بلیغ اور دل نشین پیرائے میں بات کریں۔

حکمت کا جاننا بہت ضروری ہے، صاحب حکمت وہ ہے جو بہتر تدبیر سے کام لے۔ مگر آج دعوت دین کے معاملے میں عام طور پر حکمت کی بجائے حماقت سے کام لیا جاتا ہے جس کے نتائج میں مسلمانوں کی اکثریت مذہب سے بیزار ہو رہی ہے۔

زبردستی منوانا نہ ہی تبلیغ ہے اور نہ ہی اس کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ لَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشۡرَکُوۡا وَ مَا جَعَلۡنٰکَ عَلَیۡهِمۡ حَفِیۡظًا وَ مَاۤ اَنۡتَ عَلَیۡهِمۡ بِوَکِیۡلٍ ﴾[الانعام: ۱۰۷]

یعنی ان مشرکوں کے پیچھے نہ پڑیے اگر اللہ کی مشیت ہوتی تو وہ خود ایسا بندوبست کر سکتا تھا کہ یہ لوگ شرک نہ کرتے، آپ ﷺ کو ہم نے ان پر پاسبان مقرر نہیں کیا اور نہ ہی آپ ان پر نگہبان ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کو داعی اور مبلغ بنایا گیا ہے، کوتوال نہیں۔ آپ ﷺ کا کام صرف یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے اس روشنی کو پیش کر دیں اور اس سلسلے میں کوئی کسر نہ باقی رکھیں اب اگر کوئی اس حق کو قبول نہیں کرتا تو نہ کرے، آپ ﷺ کو اس کام پر مامور نہیں کیا گیا

کہ لوگوں کو حق پرست بنا کر ہی دم لیں۔ لہٰذا اپنے آپ کو اس فکر میں پریشان نہ کریں کہ اندھوں کو کس طرح بینا بنایا جائے۔ جو آنکھیں کھول کر دیکھنا ہی نہیں چاہتے انھیں کیسے دکھایا جا سکتا ہے۔ اگر حکمت الٰہی کا تقاضا یہی ہوتا کہ دنیا میں کوئی شخص باطل پرست نہ رہنے دیا جائے تو اللہ تعالیٰ کو آپ ﷺ سے یہ کام لینے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا تو ایک اشارہ ہی تمام انسانوں کو حق پرست بنا سکتا تھا مگر وہاں تو مقصود سرے سے یہ ہے ہی نہیں بلکہ مقصود تو یہ ہے انسان کے لیے حق اور باطل کے انتخاب کی آزادی باقی رہے اور پھر حق کی روشنی اس کے سامنے پیش کر کے اس کی آزمائش کی جائے کہ وہ دونوں میں سے کس کا انتخاب کرتا ہے پس آپ ﷺ کے لیے صحیح طرزِ عمل یہی ہے کہ جو روشنی آپ ﷺ کو دکھائی گئی ہے اس کے اجالے میں سیدھی راہ پر خود بھی چلتے رہیے اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیتے رہیے جو لوگ اس دعوت کو قبول کریں انھیں سینے سے لگائیے اور ان کا ساتھ نہ چھوڑیے خواہ وہ دنیا کی نگاہ میں کیسے ہی حقیر ہوں۔ اور جو قبول نہ کریں اس کے پیچھے نہ پڑیے جس بُرے انجام کی طرف وہ خود جانا چاہتے ہیں اور جانے پر مُصر ہیں اس کی طرف جانے کے لیے انھیں چھوڑ دو:

﴿ وَاُمۡلِیۡ لَهُمۡ اِنَّ كَيۡدِیۡ مَتِيۡنٌ ﴾[القلم:۴۵]

''میں ان کی رسی دراز کر رہا ہوں، میری تدبیر بڑی زبردست ہے۔''

مبلغِ دین کی راہ نمائی یوں فرمائی گئی ہے:

﴿خُذِ الۡعَفۡوَ وَاۡمُرۡ بِالۡعُرۡفِ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡجٰهِلِيۡنَ o وَاِمَّا يَنۡزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ o﴾[الاعراف:۱۹۹]

''اے نبی! نرمی و درگزر کا طریقہ اختیار کرو معروف کی تلقین کیے جاؤ اور جاہلوں سے مت الجھو۔ اگر کبھی شیطان تمھیں اکسائے تو اللہ کی پناہ مانگو وہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے نبی مکرم ﷺ کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿ فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنۡتَ لَهُمۡ وَلَوۡ كُنۡتَ فَظًّا غَلِيۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِكَ﴾[آل عمران:۱۵۹]

''یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ آپ ﷺ ان لوگوں کے لیے نرم ہیں، ورنہ اگر آپ ﷺ درشت خو اور سخت دل ہوتے تو یہ سب لوگ آپ ﷺ کے گردوپیش سے چھٹ جاتے۔''

چنانچہ آپ ﷺ درج ذیل باتوں کی ہدایت ان لوگوں کو خاص طور پر کرتے تھے جنھیں تبلیغ دین کے لیے مامور کر کے روانہ فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں کو دین کی بشارتیں دو، متنفر نہ کرو اور لوگوں کے لیے سہولت کا موجب بنو نہ کہ تنگی و سختی کا۔ (بخاری)

مخالف کو نصیحت کا انداز اختیار کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو حکم دیا:

﴿اِذۡهَبَاۤ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ اِنَّهٗ طَغٰى o فَقُوۡلَا لَهٗ قَوۡلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوۡ يَخۡشٰى o﴾[طٰہ:۴۳،۴۴]

''تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ کہ وہ سرکش ہو چکا ہے۔ مگر اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا شاید کہ وہ نصیحت قبول کر لے یا ڈر جائے۔''

کیسا حکمت بھرا فرمان ہے۔ آدمی کے راہِ راست پر آنے کی دو ہی شکلیں ہیں یا تو تلقین و تبلیغ سے مطمئن ہو کر صحیح راستہ اختیار کر لیتا ہے یا پھر بُرے انجام سے ڈر کر راہ راست پر آ جاتا ہے۔

بڑے سے بڑے دشمنِ دین کو بھی دعوت دیتے وقت نرم لہجہ استعمال کرنا چاہیے، تند و تیز جملوں سے مخاطب نہیں کرنا چاہیے، ایسے شفقت آمیز لہجے سے بات ہو کہ سامع کے دل میں اُتر جائے۔ اس کے ساتھ ہی مبلّغ کو یہ حکم بھی دیا گیا کہ میرے ذکر سے سستی نہ کرے اور اللہ سے دعا کرے کہ اسے تبلیغ کے لیے ایسا مؤثر سلیقہ نصیب ہو کہ سننے والا سوچنے پر مجبور ہو جائے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے پیغمبر ﷺ کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴾[المؤمنون: ٩٦]

''(اے محمد(ﷺ!) آپ برائی کو اس طریقے سے دور کیجیے جو بہترین ہو، جو کچھ باتیں وہ آپ پر بناتے ہیں وہ ہمیں خوب معلوم ہیں۔''

داعیِ حق اللہ اور رسول ﷺ کا نمائندہ ہوتا ہے، وہ دعوت میں برائی کا جواب برائی سے نہ دے بلکہ اپنے پیغمبر کا اسوہ اپنائے اور یہ یقین رکھے کہ اس مشن پر قائم رہنا ہے کیوں کہ میری پشت پر خالق کائنات کی تائید و نصرت ہے، لہٰذا داعی فکر مند نہ ہو، پریشان تو وہ ہو جس کا کوئی مددگار نہ ہو۔

تبلیغ دین اور ہمارے اسلاف:

ماضی قریب کے ہمارے علماء اسوۂ حسنہ کے آئینہ دار اور نمونہ عمل تھے۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث کی سالانہ کانفرنسوں اور بہت سے مقامات کے سالانہ جلسوں میں خطبہ جمعہ عام طور پر حضرت مولانا سید محمد داود غزنوی یا حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ مسلک اہل حدیث کی صداقت کو موضوع سخن بناتے ہوئے ان کا انداز بیان بڑا مثبت ہوتا، محدثین کرام کی خدمات اور ائمہ کی فقاہت کے ساتھ ساتھ ان کے اختلافات کا ایسا خوب صورت تذکرہ فرماتے کہ بات دل میں اترتی چلی جاتی۔ خطبہ کے آخر میں وقتی سیاسیات ومسائل پر ایسا جان دار تبصرہ فرماتے جس میں قائدانہ راہ نمائی ہوتی۔

ان کے اپنے اپنے مقامات پر خطبات جمعہ خصوصاً عیدین کے خطبات ملکی حالات کا رخ پھیر دیتے اور بعض اوقات حکومتی ایوانوں میں لرزہ طاری ہو جاتا۔ حافظ محمد یحییٰ عزیز اور مولانا محمد یحییٰ شرقپوری کا دعوت و ارشاد کا انداز کس قدر میٹھا اور پیارا تھا۔ حضرت الاستاد حافظ محمد گوندلوی جو علم و عرفان کے بحر بے کراں تھے، ان کا خطبہ جمعہ بھی بڑا عام فہم ہوا کرتا تھا۔ ماموں کانجن کانفرنس کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے فرمانے لگے کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حاضر وناظر ہے لیکن جن کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی، رسول اللہ ﷺ بھی اور اولیاء اللہ بھی لوگوں کے حالات و کوائف دیکھ رہے ہیں اور التجائیں سنتے ہیں ایسے عقیدے والوں پر تو زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ جب یہ سبھی بزرگ دیکھ رہے ہیں تو ہمیں زیادہ محتاط ہو کر اپنے کردار کو سنوارنا چاہیے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ وہ بدعملی میں اور احکامات دینیہ کو فراموش کرنے میں پیش پیش رہتے ہیں۔

مولانا عبدالمجید سوہدروی مضبوط جسم و جان اور خوب صورت قد کاٹھ میں محبت و رافت والی شخصیت تھے۔ مناظروں اور جلسوں کی صدارت انھی کو سونپی جاتی ان کی گفتگو ادبیت اور حکمت و دانش سے لبریز ہوتی۔

مولانا حافظ عبدالحق صدیقی جیسے دبنگ اور بے باک مقرر اب کہاں! مگر وہ بھی جوش و جذبہ سے خطاب کرتے ہوئے اعتدال ورواداری کو پوری طرح ملحوظ رکھتے تھے۔

مولانا سید ابوبکر غزنوی کی خطابت کا ایک مخصوص اسلوب تھا جو سامعین کو خوب متاثر کرتا۔ عربی، فارسی اور اردو کے برمحل اشعار سے ان کی تقریر کی تاثیر دوبالا ہو جاتی۔

حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف قلم وقرطاس اور تحقیق وتصنیف میں طرۂ امتیاز رکھتے تھے لیکن مسجد مبارک اسلامیہ کالج میں ایک مدت تک خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے رہے۔ حالات کے تناظر میں پیش آمدہ مسائل پر نہایت شستہ اور صاف ستھری زبان میں اظہار خیال فرماتے۔

حضرت مولانا معین الدین لکھوی کے دینی وسیاسی مسائل واحوال کے بیان میں حکمت وموعظت بھری ہوتی بعض اوقات اپنے جد امجد حافظ محمد لکھوی کے پنجابی اشعار ترنم سے پڑھتے تو روحانیت کا ایک سماں بندھ جاتا۔

شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ (گوجرانوالہ) کے خطبات جمعہ اور عظیم اجتماعات میں کی جانے والی تقریروں میں نہایت سلیس اور جچے تلے الفاظ سامعین کے کانوں میں رس

گھولتے۔ وہ مثبت اور فکر انگیز پیرائے میں تقلیدی مذاہب پر دردمندانہ تنقید فرماتے اور قرآن وحدیث کی صافی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی لطف انگیز ترغیب دیتے۔

ضیغم اسلام علامہ احسان الٰہی ظہیر کی گھن گرج اور شعلہ نوا خطابت میں جارحیت کی بجائے ایسی تفہیمی و فکری گفتگو ہوتی کہ غور وفکر کے دریچے کھلتے چلے جاتے۔

ان نام وَر اہل علم، دیگر اعیان جماعت اور خطبائے عظام کا اندازِ بیان مثبت ہوتا تھا۔ مخالف کا اگر ذکر بھی کرتے تو نہایت اخلاق اور دردمندی کے ساتھ فرماتے۔

اس لیے نت نئے فتنوں اور فرقہ واریت و دہشت گردی کے موجودہ دور میں ضروری ہوگا کہ ہمارے نوجوان مقررین اپنے متذکرہ بالا اسلاف کی تابندہ روایات کو مشعل راہ بناتے ہوئے مثبت و مؤثر طریقہ خطابت اختیار کریں اور حکمت و دانش مندی کے ساتھ قرآن وسنت کی اشاعت وترویج کا فریضہ ادا کریں۔



نقد و نظر

قسط نمبر ①

تعزیت میں میت کے لیے دعائے مغفرت کا مسئلہ

مولانا حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' (مارچ ۲۰۱۴ء) میں ایک مضمون بعنوان ''تعزیت میں میت کے لیے دعائے مغفرت'' شائع ہوا ہے۔ اور مضمون نگار ہیں: ابوعبداللہ محمد شعیب حفظہ اللہ۔

ہماری ناقص رائے میں مضمون کا عنوان ہی مبہم اور غیر واضح ہے۔ پتا نہیں یہ عنوان خود مضمون نگار کا تجویز کردہ ہے یا ایڈیٹر یا کسی ادارتی معاون کی ایڈیٹنگ کا نتیجہ۔ تاہم یہ عنوان اصل مسئلے کی وضاحت کے لیے ناکافی ہے یا مغالطہ انگیز ہے۔ اس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو تعزیت میں میت کے لیے دعائے مغفرت کے قائل نہیں ہیں۔ اور اس مضمون میں اسی کا اثبات کیا گیا ہے (گو اس موقف میں بھی وہ تضاد کا شکار ہیں جس کی تفصیل آگے آئے گی) حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ میت کے لیے دعائے مغفرت کا کوئی منکر نہیں ہے۔ جس کا کوئی منکر ہی نہیں ہے، اس کے اثبات کا کیا معنی؟

دراصل اس میں وہی مغالطہ انگیزی کا عنصر کارفرما ہے جو ہر فرض نماز کے بعد بالالتزام اجتماعی طور پر دعا کے بارے میں اہل حدیث کی بابت پھیلایا گیا ہے کہ وہ دعا کے منکر ہیں۔ حالانکہ کوئی اہل حدیث دعا کا منکر نہیں ہے، حتیٰ کہ فرض نماز کے بعد بھی دعا کے منکر نہیں ہیں۔ جب ایسا ہے تو پھر یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ اہل حدیث نماز کے بعد دعا نہیں مانگتے! یا اس کے قائل نہیں!

بات دراصل دعا کی اہمیت وفضیلت اور بہ کثرت و بہ تکرار کرنے کی نہیں، اہل حدیث الحمد للہ اس کے قائل ہیں بلکہ اس کے عامل ہیں۔ اختلاف صرف طریقہ دعا میں ہے۔

دعا کے بارے میں اہل حدیث کا موقف یہ ہے کہ دعا ہر وقت کی جا سکتی ہے اور کی جانی چاہیے اور خوب کثرت اور تکرار سے کرنی چاہیے، بالخصوص اوقات دعا اور مقامات دعا میں جن کی صراحت احادیث میں موجود ہے۔ لیکن دعا کے وہ خاص مواقع، جہاں بالعموم دعا کی ضرورت ہوتی ہے، یا نبی ﷺ نے وہاں اس کا التزام فرمایا ہے، وہاں اہل حدیث اس طریقہ نبوی کو ملحوظ رکھنا ضروری اور اتباع سنت کا تقاضا سمجھتے ہیں، جو طریقہ آپ ﷺ نے اختیار فرمایا ہے، مثلاً:

- تعزیت کے موقع پر اہل میت کے گھر جا کر دعا کرنا (یہ اصل موضوع ہے جس پر آگے چل کر گفتگو ہوگی)
- ہر فرض نماز کے بعد دعا کرنا (یہ کس طرح کرنی ہے؟ اس کی تفصیل بھی آگے آئے گی)
- کوئی آ کر آپ ﷺ سے دعا کی درخواست کرتا تو آپ ﷺ دعا فرما دیتے۔ اور اس میں آپ سے ہاتھ اُٹھا کر بھی دعا کرنا ثابت ہے۔ اس کی وضاحت بھی ہم کریں گے۔
- غیر معمولی حالات میں کسی مخصوص چیز کی دعا کرنا، جیسے بارش نہ ہونے کی وجہ سے بارش کے لیے دعا کرنا۔ اس دعائے استسقاء میں بھی آپ ﷺ نے ہاتھ اُٹھا کر دعا فرمائی ہے۔
- عیدین میں نماز عید کے موقع پر۔ اس موقع پر دعا کس طرح فرمائی ہے؟ اس کی صراحت راقم کے علم میں نہیں۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ بغیر ہاتھ اُٹھائے خطبے ہی میں دعا فرمائی۔

۱: اہل میت کے ہاں جا کر تعزیت کرنا نبی ﷺ سے ثابت ہے۔ اور تعزیت میں دو باتیں سب سے اہم ہیں۔ ایک میت کے لیے مغفرت کی دعا کرنا۔ دوسرے، گھر والوں کو صبر جمیل کی تلقین اور

اس کا اجر وثواب بتلانا۔ (اس میں نبی ﷺ کا طریقہ دعا کیا تھا؟ اس وقت اصل موضوع یہی ہے، اس لیے اس پر تفصیلی گفتگو آگے چل کر ہوگی)

۲: ہر فرض نماز کے بعد دعا کا طریقہ نبوی کیا تھا؟ اہل حدیث مساجد کے علاوہ دیگر مساجد میں (اذکار مسنونہ کا اہتمام کیے بغیر) امام اور مقتدی دونوں مل کر ہاتھ اُٹھا کر اجتماعی دعا مانگتے ہیں جس میں بالعموم چند خود ساختہ عربی الفاظ پڑھے جاتے ہیں اور دعا مکمل ہو جاتی ہے! کبھی کبھی یا بعض مساجد میں مقامی زبان میں بھی دعا کی جاتی ہے۔ اس طریقہ دعا کے بارے میں پتا نہیں فاضل مضمون نگار کا موقف کیا ہے؟ تاہم اہل حدیث کا موقف یہ ہے کہ فرض نماز کے بعد نبی ﷺ اللہ اکبر بہ آواز بلند کہتے اور تین مرتبہ استغفر اللہ پڑھتے۔ جس کے معنی ہیں ''اے اللہ! میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔'' پھر آپ یہ دعا پڑھتے:

"رب اعني على ذكرك و شكرك وحسن عبادتك." الی آخرہ

''اے اللہ! تو میری مدد فرما اپنے ذکر پر، اپنے شکر پر اور اپنی حسن عبادت پر۔''

یعنی تیرا ذکر، تیرا شکر اور تیری عبادت خوب اچھے طریقے پر کروں۔ یہ سب دعائیہ کلمات یقیناً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی پڑھتے ہوں گے، سنت نبوی کے مطابق اہل حدیث امام اور مقتدی بھی پڑھتے ہیں۔ اس دعا میں بعد کے الفاظ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور اس کی صفات پر مشتمل ہیں۔ علاوہ ازیں نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھا کرو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی پڑھتے تھے اور الحمد للہ اہل حدیث علماء اور عوام بھی پڑھتے ہیں۔

اب ذرا غور فرمائیے! فرض نماز کے بعد دعا کا بھی اہتمام ہے اور ذکر الٰہی کا بھی۔ اور یہ دعا اور ذکر بالالتزام یعنی مستقل ہے ہر نماز کے بعد اور یہ ہر اہل حدیث مسجد کا اور ہر اہل حدیث کا مستقل معمول ہے۔

کیا اس کے بعد کہا جا سکتا ہے کہ اہل حدیث فرض نماز کے بعد دعا نہیں مانگتے یا اس کے قائل نہیں ہیں؟ یا وہ اللہ کا ذکر نہیں کرتے یا اس کے قائل نہیں ہیں؟ لیکن اہل حدیث کی بابت یہ دونوں ہی باتیں کہی جاتی ہیں؟ حالانکہ ایسا کہنا بداہتاً غلط ہے، اہل حدیث دونوں ہی باتوں کے قائل بھی ہیں اور عامل بھی۔ وہ دعا بھی مانگتے ہیں اور ذکر بھی کرتے ہیں۔ پھر ایسا کیوں کہا جاتا ہے؟

اس کی وجہ وہ فرق ہے جو اہل حدیث کے نقطہ نظر اور غیر اہل حدیث کے نقطہ نظر میں ہے۔ اہل حدیث ہر بات میں اسوۂ رسول، جس کو اللہ نے مسلمانوں کے لیے اسوۂ حسنہ قرار دیا ہے، اس کی پیروی کرتے ہیں۔ دوسرے حضرات اس کو ضروری نہیں سمجھتے، وہ اپنے خود ساختہ یا فقہی طریقے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس کی وجہ سے ہر نماز کے بعد طریقہ دعا میں فرق ہو گیا، ورنہ دعا دونوں مانگتے ہیں۔ غیر اہل حدیث مقتدی اور امام دونوں ہاتھ اُٹھا کر اجتماعی دعا مانگتے ہیں اور الفاظ بھی ان کے اپنے خود ساختہ ہیں جو وہ اس موقع پر بالعموم پڑھتے ہیں۔ وہ مسنون اذکار بھی نہیں پڑھتے جو رسول اللہ ﷺ پڑھا کرتے تھے۔ اہل حدیث کہتے ہیں یہ تینوں باتیں غلط ہیں اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت نہیں ہیں یا آپ کے طریقے کے خلاف ہیں۔

کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرض نماز کے بعد مروجہ طریقے سے اجتماعی دعا مانگی۔ اس لیے اہل حدیث اس مروجہ اجتماعی طریقہ سے اجتناب کرتے ہیں۔ اور نبی ﷺ کے طریقے کے مطابق امام اور مقتدی اپنے اپنے طور پر وہ مذکورہ دعا بغیر ہاتھ اُٹھائے مانگتے ہیں جو نبی ﷺ مانگا کرتے تھے، پھر وہ اذکار پڑھتے ہیں جن کے پڑھنے کی آپ ﷺ نے تاکید فرمائی ہے۔ اس پر ان کا التزام اور دوام ہے۔ تاہم اگر کوئی دعا کی درخواست کرے تو نبی ﷺ سے بھی چونکہ یہ طریقہ ثابت ہے کہ آپ سے کوئی دعا کی درخواست کرتا تو آپ ﷺ اس کے لیے دعا فرما دیتے تھے۔ اہل حدیث بھی بعض دفعہ نماز کے بعد کسی کے کہنے پر ہاتھ اُٹھا کر درخواست اور

ضرورت کے مطابق دعا بھی کرتے ہیں، کیوں کہ دعا ہر وقت کی جا سکتی ہے اور آپ سے جب بھی درخواست کی گئی، آپ نے دعا فرمائی ہے۔ (اس کی تفصیل بھی آئے گی)

یہ ہے فرض نماز کے بعد دعا کی بابت اہل حدیث کا موقف اور عمل۔ جس میں سنت رسول کا اہتمام اور خود ساختہ طریقوں سے اجتناب ہے، جیسا کہ ایک مسلمان کا عمل اور شیوہ ہونا چاہیے۔ لیکن لوگ پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ اہل حدیث نہ دعا مانگتے ہیں اور نہ ذکر کرتے ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہ دعا کے نہ خود ساختہ طریقے کو مانتے ہیں اور نہ من گھڑت دعائیہ کلمات کو۔ ان کے نزدیک یہ دعا کا انکار ہے، حالانکہ ہمارے موقف میں دعا کا انکار نہیں بدعی طریقے کا انکار ہے۔ اسی طرح ذکر کا انکار نہیں بلکہ ذکر کے بدعی طریقوں کا انکار ہے، جیسے حلقہ بنا کر الـلـه هو کی ضربیں لگانا، شیخ کا تصور کر کے مراقبہ کرنا، بتیاں بجھا کر مختلف طریقوں سے ذکر کرنا وغیرہ وغیرہ۔ اس کی بے شمار شکلیں اور طریقے ہیں جو لوگوں کے اپنے بنائے ہوئے ہیں، یہ سب بدعی اور غیر مسنون طریقے ہیں جن کو اہل حدیث اس لیے نہیں مانتے کہ یہ نہ سنت سے ثابت ہیں اور نہ سلف (صحابہ وتابعین) کا یہ تعامل تھا۔

اس کی ایک اور مثال یہ ہے کہ اہل حدیث اذان سے قبل صلاۃ وسلام کو نہیں مانتے، اس لیے کہ اذان سے قبل صلاۃ وسلام اور وہ بھی خود ساختہ الفاظ میں غیر مسنون اور بدعی طریقہ ہے۔ لیکن اس پر عمل کرنے والے اہل بدعت کہتے ہیں کہ اہل حدیث درود کے منکر ہیں۔ کیا ان کا کہنا صحیح ہے؟ کیا اہل حدیث درود کے منکر ہیں؟ کیا وہ واقعی نبی ﷺ پر صلاۃ وسلام نہیں پڑھتے؟ سبحانك هذا بهتان عظيم.

اہل حدیث پانچوں نمازوں (سنن ونوافل سمیت) اور دیگر نمازوں میں (تحیۃ المسجد، تہجد، نماز اشراق وغیرہ) میں روزانہ سیکڑوں مرتبہ صلاۃ وسلام پڑھتے ہیں، ان کے دروس، تقاریر وخطبات میں ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کی اتنی تکرار ہوتی ہے کہ کسی بھی دوسرے فرقے میں اس کا اتنی کثرت سے استعمال نہیں ہوتا۔ ہر اذان کے بعد اہل حدیث درود ابراہیمی اور دعائے وسیلہ پڑھتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی درود کا اہتمام ہوتا ہے۔ پھر بھی کہا جاتا ہے کہ اہل حدیث درود کے منکر ہیں۔ کیوں کہا جاتا ہے؟ محض اس لیے کہ اہل حدیث درود کے بدعی طریقوں کے منکر ہیں۔

ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیے۔ کہا جاتا ہے کہ اہل حدیث ایصالِ ثواب کے منکر ہیں۔ کیا واقعی ایسا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ اہل حدیث ایصال ثواب کے قائل ہیں۔ لیکن اس میں بھی ان کا موقف یہی ہے کہ فوت شدگان کو ثواب اللہ نے پہنچانا ہے، کسی مولوی، مفتی اور پیر نے نہیں۔ اور اللہ ثواب اسی وقت پہنچائے گا جب ایصال ثواب کا وہ طریقہ اختیار کیا جائے گا جو اللہ کے نمائندے پیغمبر اسلام ﷺ نے بتلایا ہے۔

میت کے لیے دعائے مغفرت؟

اب ہم اصل موضوع پر آتے ہیں۔ فاضل مضمون نگار نے بھی اہل حدیث ہونے کے باوجود بار بار یہ بات دہرائی ہے کہ اہل حدیث میت کے لیے مغفرت کی دعا نہیں کرتے۔ آپ موصوف کی ٹیون ملاحظہ فرمائیں اور ان کی ستم ظریفی کی داد دیں۔ فرماتے ہیں:

''یہ کیا دلجوئی ہوئی کہ آپ صرف زندہ آدمی سے، جس کا یہ دکھ بہر حال عارضی ہے، چند تعزیتی کلمات کہہ کر آ جائیں اور اس کی وہ میت جو ابدی زندگی کی طرف منتقل ہو چکی ہے اس کے لیے بخشش ودعا کے چند کلمات بھی نہ کہیں جب کہ وہ بے بس ولاچار میت اس زندہ سے تعزیت کی نسبت دعا کی کہیں زیادہ محتاج ہے۔''

اس بات کو یا دعوے کو موصوف نے متعدد مرتبہ مختلف انداز سے، کہیں طنزیہ انداز سے، کہیں تمسخرانہ انداز سے، کہیں ناصحانہ انداز سے دہرایا ہے گویا ان کے نزدیک یہ حقیقت ثابتہ ہے کہ اہل حدیث میت کے لیے مغفرت کی دعا نہیں کرتے۔ اور اپنے کچھ ''دلائل'' دے کر فرماتے ہیں:

''چلیے اس سے پہلے جو کچھ ہو گیا سو ہو گیا اب ہی دعا شروع کر

دیجیے، شاید اس سے کسی بے بس ولاچار اور محتاجِ دعا میت کے لیے خلاصی کی کوئی راہ بن جائے یا اس کو کوئی فائدہ ہو جائے۔''

لیکن کیا یہ واقعہ ایسا ہی ہے کہ اہل حدیث میت کے لیے مغفرت کی دعا نہیں کرتے یا وہ اس کے قائل نہیں ہیں، یا ان کے نزدیک تعزیت کا مطلب صرف زندہ رشتے داروں سے ان کی دلجوئی کے لیے چند ہمدردانہ بول بول دینا ہے جیسا کہ موصوف نے دعویٰ کیا ہے؟

ہم عرض کریں گے کوئی اہل حدیث میت کے لیے مغفرت کی دعا کا منکر نہیں ہے۔ اہل حدیث کے نزدیک تعزیت کا مطلب ہی میت کے لیے مغفرت کی دعا کرنا اور اہل میت کو صبر کی تلقین کرنا ہے۔ میت کے لیے دعائے مغفرت کیے بغیر اس کے اہل خانہ سے ہمدردی کا اظہار تعزیت ہی نہیں اور نہ اہل حدیث ایسا کرتے ہی ہیں۔ پھر موصوف نے بہ تکرار و بہ اصرار یہ بات کیوں دہرائی ہے؟ اس میں وہی بریلوی تکنیک کارفرما ہے جس کی چند مثالیں ہم نے دی ہیں کہ اہل حدیث اس تعزیت کے موقع پر بھی صرف مسنون طریقہ تعزیت اختیار کرتے ہیں اور بدعی طریقے سے گریز کرتے ہیں، فاضل مضمون نگار بدعی طریقے سے اجتناب کو مطلق دعائے مغفرت کا انکار قرار دے رہے ہیں جو واقعے کے یکسر خلاف ہے۔

تعزیت اور میت کی مغفرت کا بدعی طریقہ:

اب اصل مسئلے کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ تعزیت کے مسنون طریقے اور بدعی یا خلاف سنت طریقے کو واضح کیا جائے تا کہ اس کی روشنی میں فاضل مضمون نگار کے دلائل کا جائزہ لیا جا سکے۔ پہلے بدعی طریقہ ملاحظہ فرمائیں جو حسب ذیل ہے:

میت کا پہلا حق ہے کہ اس کی نماز جنازہ میں شریک ہو کر پورے خلوص سے دعا کی جائے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

((اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا لہ الدعاء.))(سنن ابی داود:۳۱۹۹)

''جب تم میت کی نماز جنازہ پڑھو تو خلوص سے اس کے لیے دعا کرو۔''

میت کے لیے دعائے مغفرت کا دعویٰ کرنے والے اہل بدعت نماز جنازہ میں نہ سورۂ فاتحہ پڑھتے ہیں اور نہ درود ابراہیمی اور نہ وہ دعائیں جو نبی ﷺ نے نماز جنازہ میں پڑھیں، جنھیں سن کر ایک صحابی کہنے لگے: کاش آج میرا جنازہ ہوتا۔ دراصل ایسی نماز، نماز نہیں ہوتی، نماز کا جھٹکا ہوتا ہے جس کے پڑھنے میں صرف ایک دومنٹ لگتے ہیں۔

جس نماز میں سورۂ فاتحہ ہی نہ ہو، نبی ﷺ کے فرمان کے مطابق وہ نماز ہی نہیں اور جس دعا میں میت کے حق میں خصوصی مسنون دعا ہی نہ ہو، وہ کیا دعائے مغفرت ہوئی۔ گویا جو دعائے مغفرت کا اصل موقع ہے، وہاں یہ حضرات مسنون دعائے مغفرت ہی نہیں کرتے۔ پھر سلام پھیرتے ہی میت کی چارپائی کے گرد کھڑے ہو کر دعا کرتے ہیں جب کہ نبی ﷺ نے نماز جنازہ کے بعد بالکل دعا نہیں فرمائی۔

پھر تدفین کے بعد نبی ﷺ نے ہاتھ اُٹھا کر دعا فرمائی اور صحابہ سے بھی دعائے تثبیت (سوال جواب میں ثابت قدمی کے لیے دعا) فرمائی۔ یہ حضرات یہاں یہ اجتماعی دعا جو مسنون ہے، نہیں مانگتے، چالیس قدم دور جا کر دعا مانگتے ہیں جو ثابت نہیں ہے۔ علاوہ ازیں تدفین کے بعد اذان پڑھتے ہیں اور میت کو تلقین کرتے ہیں، یعنی اے قبر والے! تجھ سے یہ سوال ہوگا، اس کا جواب یہ ہے۔ فلاں سوال کا جواب یہ ہے، فلاں کا یہ ہے۔ گویا منوں مٹی کے نیچے بھی اسے قوت سماعت سے بہرہ ور سمجھتے ہیں۔

پھر دوسرے روز رسم قل کرتے ہیں جسے رسم سوئم بھی کہا جاتا ہے، اس میں دانوں یا گٹھلیوں پر کچھ پڑھا جاتا ہے اور اس سلسلے میں قرآن خوانی کا بھی اہتمام ہوتا ہے۔

پھر وہ رسم آجاتی ہے جو زیر بحث ہے، یعنی اہل میت تین دن تک دریاں بچھا کر گلی یا گھر کے صحن میں بیٹھے رہتے ہیں، میت کے قرابت دار بھی تین روز تک اہل میت ہی کے ہاں ڈیرے ڈالے رہتے ہیں۔ ان ایام میں تعزیت کے لیے ہر آنے والا پہلے دونوں ہاتھ اُٹھا کر فاتحہ خوانی کرتا ہے، یا کہا جاتا ہے ''کلام بخشو'' جسے مضمون نگار نے دعائے

مغفرت باور کرایا ہے اور اہل حدیثوں کو اس کا تارک بتایا ہے۔ حالانکہ آنے والا تعزیت کے الفاظ بغیر ہاتھ اُٹھائے، آتے ہی یا فاتحہ خوانی کے بعد، اسی طرح ادا کرتا ہے جیسے اہل حدیث کرتے ہیں، یعنی میت کے حق میں تعریفی کلمات اور مغفرت کی دعا اور اہل میت کو صبر کی تلقین وغیرہ۔

پھر میت کے لیے چالیسواں ہوتا ہے جس میں پورے خاندان کے علاوہ دوست احباب بھی شرکت کرتے ہیں۔ اور شادی بیاہ کی طرح کھانے پینے کا حسب استطاعت اہتمام ہوتا ہے۔ کسی غریب آدمی کے پاس اس رسم کے لیے پیسے نہ ہوں تو وہ قرض لے کر یہ رسم ادا کرتا ہے۔

یہ ہیں وہ رسمیں جو اہل بدعت کے ہاں میت کی مغفرت کے لیے اختیار کی جاتی ہیں۔ جن میں قدم قدم پر بدعات اور خلاف سنت اُمور ہیں۔ ایک کام بھی سنت کے مطابق نہیں۔ اور امور بدعی کے متعلق فاضل مضمون نگار بھی یقیناً اس بات کے قائل ہوں گے کہ ان کے مرتکبین اجر و ثواب کے مستحق ہرگز نہیں ہوں گے کیوں کہ نبی ﷺ کے فرمان ((من احدث في امرنا هذا ماليس فيه فهورد.)) (صحيح بخاري: ٢٦٩٧) کے مطابق بدعت والے کام مقبول نہیں، مردود ہیں۔ مردود کاموں پر اجر و ثواب کیوں کر مل سکتا ہے؟ جب یہ کام کرنے والوں کے لیے اللہ کے ہاں کچھ نہیں ہے تو جس (میت) کے لیے کیے جاتے ہیں، اس کو ان سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟

تعزیت اور میت کی مغفرت کے مسنون طریقے:

اس کے برعکس میت کی مغفرت کے لیے بہ شمول تعزیت مسنون طریقے کیا ہیں جو اہل حدیث اختیار کرتے ہیں؟ وہ حسب ذیل ہیں:

سب سے پہلے نماز جنازہ ہے جس کی بابت رسول اللہ ﷺ کا فرمان گرامی ہم پہلے نقل کر آئے ہیں کہ نماز میں پورے خلوص سے دعائیں کرو۔ اہل حدیث مسنون طریقے سے نماز جنازہ پڑھتے ہیں جس میں میت کی مغفرت کی وہ تمام خصوصی دعائیں پڑھتے ہیں جو نبی ﷺ سے مروی اور ثابت ہیں۔

تدفین کے بعد قبر پر ہاتھ اُٹھا کر سارے حاضرین دعائیں کرتے ہیں۔ جیسا کہ نبی ﷺ کا عمل تھا اور حکم بھی ہے۔

اس کے بعد گھر آ کر نبی ﷺ کا کوئی مخصوص عمل منقول نہیں اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کا کوئی ایسا عمل ہمیں ملتا ہے۔ البتہ ایک صحابی حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کا یہ قول ضرور ملتا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

"كنا نعد الاجتماع الى اهل الميت وضيعة الطعام بعد دفنه من النياحة." (مسند احمد، الموسوعة الحديثية، حديث:٦٩٠٥)

"میت کو دفنانے کے بعد میت کے اہل خانہ کے ہاں جمع ہونے کو اور (جمع ہونے والوں کے لیے) کھانا تیار کرنے کو ہم نوحہ شمار کرتے تھے۔"

حضرت جریر رضی اللہ عنہ کے اس اثر سے واضح ہے کہ نماز جنازہ اور تدفین کے بعد تعزیت کے لیے تین دن تک تمام کام کاج بند کر کے بیٹھے رہنا ہی سرے سے مسنون عمل نہیں۔ چہ جائیکہ وہاں تین دن تک اجتماعی دعا کے سلسلے کو مسلسل جاری رکھا جائے۔ جس کے استحباب پر فاضل مضمون نگار نے بڑا زور دیا ہے اور اس غیر مسنون عمل کو مسنون ثابت کرنے کی لاحاصل کوشش کی ہے، حالانکہ اس مروجہ رسم اور طریقے کو بعض علماء نے مکروہ اور بدعت قبیحہ تک سے تعبیر کیا ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے علماء وائمہ کے یہ اقوال کتاب الجنائز (ص:۲۱۰-۲۱۱) میں نقل کیے ہیں۔ وہاں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اگر یہ مروجہ رسم جائز نہیں ہے تو پھر تعزیت کس طرح، کب اور کہاں کی جائے؟ اس کا کوئی مخصوص طریقہ ہے، نہ مخصوص وقت اور نہ مخصوص جگہ۔ جب بھی اور جہاں بھی اہل میت سے ملاقات ہو جائے، ان سے تعزیت کر لی جائے اور تعزیت کا مطلب ہے کہ آپ ان کے سامنے میت کے لیے اپنے الفاظ میں مغفرت کی دعا کریں یا اللهم اغفر له ورحمه......الخ دعا پڑھ لیں۔ مصیبت زدگان کو صبر کی تلقین کریں اور اس پر ان کو اجر کی اُمید دلائیں۔ (باقی آئندہ)

تذکرہ علمائے اہل حدیث

پنجاب کا لکھوی خاندان

(۱۷۲۰ء سے ۲۰۱۴ء تک)

محمد اسحاق بھٹی

پنجاب کے اہل حدیث علمی خاندانوں میں لکھوی خاندان سب سے قدیم خاندان ہے۔اس خاندان کے اکابر کا تعلق ضلع قصور کی ایک بستی ''ڈھنگ شاہ'' سے تھا۔پھر حالات نے ایسا رُخ اختیار کیا کہ ان لوگوں نے وہاں کی سکونت ترک کر دی اور ان کے ایک بزرگ جن کا نام حافظ احمد تھا، وہ آج سے کم و بیش تین سو سال پیشتر تقریباً ۱۷۲۰ء میں ضلع فیروز پور کے ایک چھوٹے سے گاؤں ''لکھوکے'' میں جا بسے۔ حافظ احمد نے اس وقت کے حالات کے مطابق وہاں ایک دینی مدرسہ قائم کیا اور بچوں کو تعلیم دینا شروع کی۔علم کی یہ اوّلین کہکشاں تھی جو اس گاؤں کی فضا پر نمودار ہوئی۔

۱۷۴۳ء کے آگے پیچھے حافظ احمد کے گھر بیٹا پیدا ہوا، جس کا نام بارک اللہ رکھا گیا۔بارک اللہ نے عربی اور فارسی کی تعلیم اپنے والد مکرم سے حاصل کی۔قرآن مجید بھی انھی سے حفظ کیا۔اس وقت دہلی میں شیخ غلام علی شاہ صاحب کا سلسلہ فیض جاری تھا، حافظ بارک اللہ لکھوی دہلی کو روانہ ہوئے اور شاہ صاحب ممدوح کی خدمت میں حاضری دی اور ان سے اخذِ فیض کیا۔دہلی کے بعض دیگر علماء سے بھی مستفید ہوئے۔ پھر واپس اپنے وطن لکھوکے آئے اور طلبائے علم کو باقاعدہ تعلیم دینے لگے۔وہ پیکر حسنات اور مجسمہ صالحیت عالم تھے۔ان کی تمام زندگی درس و تدریس میں گزری۔تصنیفی خدمات بھی سر انجام دیں۔ایک سو دس (۱۱۰) سال کے قریب عمر پائی اور ۱۸۵۰ء کے لگ بھگ سفر آخرت اختیار کیا۔وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے ''لکھوی'' کی نسبت سے شہرت پائی اور یہ نسبت اب تک اس خاندان کے اہل علم کے ساتھ وابستہ چلی آ رہی ہے بلکہ کہنا چاہیے کہ ان کا لازمہ اسماء اور جزوِ لاینفک بن گئی ہے۔لکھوی کا لفظ سنتے ہی ذہن میں ایک خاص علمی خانوادے کا نقش اُبھرتا ہے۔

حافظ بارک اللہ لکھوی کے فرزند گرامی حافظ محمد لکھوی تھے جنھوں نے بہ زبانِ فارسی قرآن مجید کا ترجمہ کیا اور سات جلدوں پر مشتمل ''تفسیر محمدی'' کے نام سے پنجابی نظم میں قرآن کی تفسیر لکھی۔۱۸۷۱ء میں عربی زبان میں سنن ابی داود کے اور ۱۸۷۲ء میں مشکاۃ المصابیح کے حواشی لکھے جو اسی سال شائع ہو گئے۔اُنھوں نے عربی، فارسی، پنجابی تینوں زبانوں میں تصنیفی خدمات انجام دیں۔اس عالم جلیل نے ۲۷/اگست ۱۸۹۳ء کو وفات پائی۔

حافظ محمد لکھوی کے ایک بیٹے مولانا محی الدین عبدالرحمان لکھوی تھے۔پارسائی اور علم و حلم کا خوب صورت ترین ہیولا۔ان کی وفات ۱۰ مئی ۱۸۹۵ کو مسجد نبوی میں بہ حالتِ سجدہ ہوئی اور جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔اس فقیر کے پردادا حکیم دوست محمد کے چھوٹے بھائی میاں امام الدین ان کے حلقہ ارادت میں شامل تھے۔

مولانا محی الدین عبدالرحمان لکھوی کے گرامی قدر فرزند حضرت مولانا محمد علی لکھوی تھے جو ۱۸۹۰ء میں بہ مقام ''لکھوکے'' پیدا ہوئے اور ۱۹ دسمبر ۱۹۷۳ء کو مدینہ منورہ میں وفات پائی۔۴۵ سال مسجد نبوی میں قرآن و حدیث کا درس دیتے رہے۔اس اثنا میں ان سے حجاز، نجد، یمن، مصر، مراکش، شام، فلسطین، الجزائر، انڈونیشیا اور افریقہ وغیرہ ملکوں کے ہزاروں طلباء نے تحصیل علم کی۔پھر یہ لوگ اپنے اپنے علاقوں میں اس علم کو پھیلانے کے لیے کوشاں ہوئے۔برصغیر کے بے شمار علماء نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں قرآن و حدیث کی تدریس فرمائی،

لیکن اس فقیر کے محدود علم میں نہیں کہ ان حضرات میں سے کسی عالم نے اتنا طویل عرصہ مسجد نبوی میں قرآن وحدیث کی تدریس کا فریضہ انجام دیا ہو جتنا مولانا محمد علی لکھوی نے دیا۔

مولانا محمد علی لکھوی کے فرزند تھے: مولانا محی الدین اور مولانا معین الدین لکھوی۔ ان کو ملنے اور دیکھنے والے ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں۔

لکھوی خاندان کی ایک قابل تحسین زریں کڑی حضرت مولانا عبدالقادر لکھوی سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ حافظ بارک اللہ لکھوی کے پوتے اور حافظ محمد لکھوی کے بھتیجے تھے۔۱۸۳۴ء میں لکھوکے میں ان کی ولادت ہوئی اور ۱۹۲۴ء میں انھوں نے وفات پائی۔ وہ مولانا محی الدین اور مولانا معین الدین لکھوی کے نانا تھے۔ جلیل القدر عالم اور رفیع المنزلت معلّم۔ تمام زندگی اپنے خاندانی مدرسے (لکھوکے) میں مصروفِ تدریس رہے۔ اس کے علاوہ انھیں کسی کام سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔

مولانا عبدالقادر لکھوی مرحوم ومغفور کی نرینہ اولاد میں سے ایک بیٹے حضرت مولانا عطاء اللہ لکھوی تھے۔ سادہ مزاج اور ممتاز ترین مدرس۔ انھیں استاذِ پنجاب کہا جاتا تھا اور وہ واقعی استاذ پنجاب تھے۔ مولانا محی الدین اور مولانا معین الدین کے ماموں۔۱۸۸۲ء میں ان کی ولادت لکھوکے میں ہوئی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنے خاندانی مدرسے میں مشغول درس وتدریس ہوئے اور حیاتِ مستعار کے آخری دم تک یہی خدمت ان کا مرکز توجہ رہی۔ سینکڑوں اصحابِ علم نے ان سے تحصیل علم کی۔ دیگر علوم متداولہ کے ساتھ ساتھ صرف ونحو میں وہ درجہ امامت پر فائز تھے۔ ان کے بیٹوں کا ذہن بھی ان علوم کے سلسلے میں بڑا زرخیز تھا۔ موجودہ حضرات میں بھی اس کے اثرات نمایاں ہیں۔ ۲۶ فروری ۱۹۵۲ء کو مولانا مرحوم کا انتقال اوکاڑا میں ہوا اور چک نمبر ۱۸ (نزد رینالہ خورد) میں انھیں دفن کیا گیا۔

حافظ احمد سے لے کر لمحہ موجود تک کا عرصہ تین سو سال کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس عرصے میں لکھوی خاندان کے علمائے عالی مرتبت جن خدماتِ دینی میں مشغول رہے، وہ یہ ہیں:

۱: تصنیف وتالیف۔ ۲: درس وتدریس۔

۳: وعظ وخطابت۔ ۴: لوگوں کی روحانی تربیت۔

ان خدماتِ چہارگونہ میں اُنھوں نے بڑی شہرت پائی۔ خاص طور پر پنجاب کے زیادہ تر علمائے اہل حدیث یا تو براہِ راست لکھوی علماء کے شاگرد ہیں یا ان کے شاگردوں کے شاگرد۔ اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

❁......علمائے غزنویہ میں سے حضرت مولانا عبدالواحد غزنوی، مولانا عبدالرحیم غزنوی، مولانا عبدالغفور غزنوی اور مولانا عبدالاول غزنوی نے لکھوکے جا کر مولانا عبدالقادر لکھوی اور مولانا محی الدین عبدالرحمان لکھوی سے استفادہ کیا۔ اس اعتبار سے جن حضرات نے ان غزنوی علماء سے تحصیل علم کی، وہ مولانا عبدالقادر لکھوی اور مولانا محی الدین عبدالرحمٰن لکھوی کے بالواسطہ شاگرد ٹھہرے۔ ان شاگردانِ گرامی علماء میں حضرت محدث حافظ محمد گوندلوی، حضرت حافظ عبداللہ روپڑی، مولانا سید محمد داود غزنوی اور دیگر بہت سے حضرات شامل ہیں۔ اسی تعلق تلمذ کی بنا پر مولانا داود غزنوی چھوٹے بڑے تمام لکھوی علماء کا بے حد احترام کرتے تھے۔ لکھویوں کے متعلق مولانا داود غزنوی کی اولاد میں بھی یہ جذبہ احترام پایا جاتا تھا۔ سید ابوبکر غزنوی ایک حادثے میں لندن میں فوت ہوئے تھے۔ ان کی میت لاہور آئی تو کسی نے کہا جنازہ کون صاحب پڑھائیں گے؟ مولانا داود غزنوی کے بڑے بیٹے مولوی عمر فاروق غزنوی نے جواب دیا: ہمارے بزرگوں کے لکھوی خاندان کے بزرگوں سے استادی شاگردی کے تعلقات تھے، اس لیے جنازہ مولانا معین الدین لکھوی پڑھائیں گے، چنانچہ انھیں اوکاڑا اطلاع دی گئی، وہ لاہور آئے اور اُنھوں نے جنازہ پڑھایا۔

❁......مولانا عبدالوہاب دہلوی بانی جماعت غربائے اہل

حدیث کا آبائی تعلق پنجاب سے تھا۔ اُنھوں نے صرف ونحو اور بعض دیگر علوم مروّجہ کی کتابیں لکھو کے جا کر لکھوی علماء سے پڑھیں۔ قرآن مجید بھی وہیں حفظ کیا، اس صورتِ حال کی روشنی میں ہم یہ کہنے میں حق بہ جانب ہیں کہ جن علماء وطلباء نے مولانا عبدالوہاب دہلوی سے حصول فیض کیا، ان کا سلسلہ تعلم لکھوی علماء تک پہنچا۔

❁......سوہدرہ (ضلع گوجراں والا) کا علوی خاندان علمائے دین کا مشہور خاندان ہے جس کے اہل علم کا تذکرہ ان شاء اللہ ''الاعتصام'' کی کسی آئندہ اشاعت میں کیا جائے گا۔ اس خاندان کے معروف عالم مولانا غلام نبی ربانی تھے، اُنھوں نے کتبِ حدیث حافظ محمد لکھوی سے پڑھیں اور سند لی۔ مولانا غلام نبی ربانی سے جن حضرات نے تحصیل علم کی، ان کا سلسلہ تلمذ حافظ محمد لکھوی تک پہنچا۔

❁......حضرت حافظ عبداللہ روپڑی طالب علمی کے ابتدائی دور میں اپنے برادرِ مکرم رکن الدین کے ساتھ لکھو کے گئے اور مولانا عبدالقادر لکھوی سے بعض فنون کی کتابیں پڑھیں، لہٰذا حافظ صاحب روپڑی کے شاگردوں کا تعلق تعلیم بھی اُس دور کے لکھوی علماء سے قائم ہوا۔

❁......مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی طلب علم کے لیے اپنے وطن راجستھان سے لکھو کے پہنچے اور لکھوی علماء سے فیض یاب ہوئے، اس بنا پر ان کے تلامذہ کرام کا شمار بھی ان کی وساطت سے لکھوی علماء کے فیض یافتوں میں ہوا۔

❁......ماضی قریب کے بے شمار حضرات براہِ راست لکھوی علماء کی بارگاہ فضیلت میں دوزانو ہو کر بیٹھے اور ان سے اکتساب علم کیا جن میں سید مولا بخش کوموی، مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی، مولانا عبدالرحیم شہید بھوجیانی، حافظ محمد بھٹوی، مولانا محمد یوسف راجووالوی، مولانا حافظ عبداللہ بڈھیمالوی، مولانا حافظ محمد اسحاق حسینوی، مولانا حافظ احمد اللہ بڈھیمالوی، مولانا حافظ عبدالرشید گوہڑوی، مولانا حافظ عبدالغفور جہلمی اور دیگر بہت سے حضرات کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

ان بزرگانِ کرام سے موجودہ دور کے لاتعداد اہل علم کو استفادے کے مواقع میسر آئے۔ اس لحاظ سے وہ لکھوی علماء کے دائرہ شاگردی میں گردانے گئے۔ یہ سب حضرات ہمارے لیے بے حد قابل احترام ہیں۔ اس فقیر کو اللہ تعالیٰ نے توفیق مرحمت فرمائی کہ یہ ان سب اساتذہ کرام کے حالات اپنی مختلف کتابوں میں لکھ چکا ہے۔

اب آیئے موجودہ دور کے لکھوی اہل علم کی طرف!

۱۹۴۷ء میں لکھوی خاندان کے لوگ اوکاڑا اور اُس کے قرب وجوار میں آباد ہوئے اور ان کا دارالعلوم جس کا نام ''جامعہ محمدیہ'' ہے، اوکاڑا میں منتقل ہوا۔ لکھوکے میں بھی اس کے ناظم مولانا معین الدین لکھوی تھے، یہاں بھی اس کی زمامِ نظامت انھی کے سپرد رہی۔ ۱۹۴۷ء سے لے کر اب تک جامعہ محمدیہ اوکاڑا کا تدریسی نظام بہترین انداز میں چل رہا ہے، جب کہ اس کی دو شاخیں جامعہ محمدیہ نور شاہ ضلع ساہی وال اور مدرسہ مرکز الاسلام (الہ آباد، قلعہ تارا سنگھ) تحصیل دیپال پور میں بطریق احسن خدمات سرانجام دے رہی ہیں۔

۶۶ سال کی اس طویل مدت میں پاکستان کے متعدد جید علمائے کرام جامعہ محمدیہ کی مسندِ تدریس پر متمکن ہوئے۔ ان مدرسین کی طویل فہرست میں استاذ پنجاب حضرت مولانا عطاء اللہ لکھوی، حافظ عبداللہ بڈھیمالوی، مولانا محمد عبدہ الفلاح، مولانا عبدالحلیم، مولانا عبداللہ امجد، مولانا ہدایت اللہ ندوی، حافظ شفیق الرحمان لکھوی بن مولانا عطاء اللہ لکھوی شامل ہیں۔

اس وقت جامعہ محمدیہ کے منصب شیخ الحدیث پر مولانا حافظ عبدالغفار اعوان متمکن ہیں۔ طالب علم کی حیثیت سے بھی وہ جامعہ میں رہے اور اُنھوں نے حافظ محمد بن مولانا محی الدین لکھوی مرحوم اور مولانا منیر الدین لکھوی سمیت بعض دیگر اساتذہ سے تحصیل علم کی۔

جامعہ محمدیہ کے فارغ التحصیل قدیم علماء وطلبہ کے علاوہ پاکستان بننے کے بعد جو حضرات جامعہ محمدیہ (اوکاڑا) میں حصولِ علم کرتے رہے،ان میں مولانا محمد اکبر سلیم مرحوم بانی مرکز ابن الخطاب (الٰہ آباد، ضلع قصور) مولانا عبداللہ امجد شیخ الحدیث مرکز الدعوۃ السّلفیہ ستیانہ بنگلہ، مولانا عبدالعزیز علوی شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ فیصل آباد، قاری خالد مجاہد، مولانا عبدالسلام بھٹوی، حافظ عبدالوحید سوہدروی (امریکا)، عبدالکریم ثاقب (برطانیہ)، مولانا میاں محمود عباس، مولانا احمد علی سیف، مولانا یوسف قصوری، مولانا محمد ابراہیم خلیل، پروفیسر ڈاکٹر عبدالغفور راشد اور دیگر علماء واساتذہ شامل ہیں۔

اب آتے ہیں لکھوی خاندان کی موجودہ نسل کی طرف۔پینتیسویں پشت میں ان کا سلسلہ نسب حضرت محمد بن حنفیہ کی وساطت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے، اس حساب سے یہ علوی ہوئے۔ہم نے گزشتہ سطور میں اشاراتی اسلوب میں ان سے متعلق گفتگو کا سلسلہ حافظ احمد سے شروع کیا ہے جو موضع لکھو کے میں سکونت پذیر ہونے والے اس خانوادے کے اوّلین فرد تھے۔ان سے لے کر اب تک ان کی ساتویں آٹھویں نسل کی تدریسی اور علمی سرگرمیاں ہمارے سامنے ہیں جنھیں وہ بلا انقطاع احسن طریقے سے انجام دے رہے ہیں۔

نہایت اختصار کے ساتھ اس کی موجودہ صورتِ حال ذیل میں درج کی جارہی ہے۔پہلے مولانا محی الدین لکھوی کے صاحب زادوں کے متعلق بات کرتے ہیں۔ان کے سات بیٹے ہیں۔سب سے بڑے حافظ محمد تھے، حافظ محمد نے جامعہ محمدیہ میں تعلیم حاصل کی اور پھر یہیں انھیں مدرس مقرر کر دیا گیا۔جامعہ کے وہ نائب شیخ الحدیث تھے۔جون ۱۹۳۷ء میں ان کی ولادت ہوئی اور ۱۶ فروری ۱۹۹۵ کو انتقال کیا۔صرف ساڑھے ستاون سال عمر پائی۔

اب ذیل میں باقی چھ کا تذکرہ ملاحظہ فرمائیں:

۱: حافظ احمد لکھوی: اُنھوں نے درس نظامی کی تکمیل جامعہ محمدیہ (اوکاڑا) سے کی۔عصری تعلیم بی اے تک حاصل کی۔دیپال پور کے ہائی سکول میں عربی کے استاذ ہیں۔صالح فطرت اور نیک اطوار۔حافظ قرآن ہیں۔

۲: محمد حامد لکھوی: پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے اسلامیات اور ایم اے عربی کیا۔جامعہ ابوبکر اسلامیہ (کراچی) میں بھی تعلیم پائی۔وفاق المدارس السّلفیہ سے الشہادۃ العالمیہ حاصل کی۔عربی زبان سے خاص طور پر لگاؤ ہے۔ہائر سیکنڈری سکول منڈی احمد آباد (ضلع اوکاڑا) میں عربی زبان وادب کے سینئر استاد ہیں۔

۳: ڈاکٹر محمد حمود لکھوی: ان کی تعلیم ہے، ایم اے اسلامیات اور ایم اے عربی۔پنجاب یونیورسٹی سے علوم اسلامیہ میں پی ایچ ڈی کی ڈگری لی۔موضوع تھا''حافظ محمد بن بارک اللہ لکھوی کا تفسیری منہج''۔دینیات کی تعلیم بھی مکمل کی۔گورنمنٹ ڈگری کالج رینالہ خورد میں پرنسپل ہیں۔جامعہ محمدیہ کے ناظم ہیں۔مختلف مقامات پر خطبہ جمعہ بھی دیتے ہیں اور اپنے خاندانی عقیدت مندوں کے ساتھ رابطے میں رہتے ہیں۔

۴: ڈاکٹر محمد حماد لکھوی: تعلیم ایم اے اسلامیات (گولڈ میڈلسٹ)۔پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے عربی اور ایل ایل بی کیا۔اسی یونیورسٹی سے''حریتِ فرد کا اسلامی تصور'' کے موضوع پر پی، ایچ، ڈی کی۔اور پوسٹ ڈاکٹریٹ (یونیورسٹی آف گلاسکو، یوکے) سے۔جامعہ محمدیہ کے شیخ الحدیث مولانا عبدالحلیم مرحوم سے سندِ حدیث لی۔پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات میں ایسوسی ایٹ پروفیسر کی حیثیت سے خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔علوم اسلامیہ کے ایک تحقیقی مجلّہ''القلم'' کے مدیر ہیں۔اور پنجاب قرآن بورڈ کے ممبر بھی ہیں۔مختلف بین الاقوامی کانفرنسوں میں پاکستان کی نمائندگی کرتے ہوئے تحقیقی مقالے پیش کرتے رہتے ہیں۔ملکی اور عالمی سطح پر دعوتی وتبلیغی سرگرمیوں

کے علاوہ مختلف ٹیلی ویژن چینلوں پر تبلیغ دین کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے بھی نظر آتے ہیں۔ حال ہی میں عالمی شہرت یافتہ معروف مبلغ اسلام ڈاکٹر ذاکر نائیک نے اپنے تبلیغی ٹی وی چینل ''پیس ٹی وی'' کے لیے ڈاکٹر محمد حماد لکھوی کو دبئی آنے کی دعوت دی ہے۔

جامع مسجد مبارک، لاہور میں اہل حدیث کی ۹۵ برس پرانی مسجد ہے جو ۱۹۲۰ء میں تعمیر کی گئی تھی۔ اس مسجد میں گزشتہ کئی سال سے ڈاکٹر محمد حماد لکھوی خطبہ جمعہ ارشاد فرمارہے ہیں۔ اسی مسجد میں پروفیسر عبدالقیوم مرحوم کے فرزند گرامی میجر زبیر قیوم نے اپنے خرچ سے ایک تحقیقی تصنیفی ادارہ دارالمعارف کے نام سے قائم کیا ہے، جس میں متعدد اہل علم خدمات سرانجام دینے پر مامور ہیں۔ آج کل نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ سے متعلق کام ہو رہا ہے، ڈاکٹر محمد حماد لکھوی اس ادارے کے تحریری کام کے نگران ہیں۔

۴: محمد حُمید لکھوی: تعلیم ایم، اے اسلامیات اور ایم اے اُردو۔ گورنمنٹ ہائی سکول دیپال پور میں سینئر استاد ہیں۔ اپنے آبائی گاؤں الہ آباد (قلعہ تارا سنگھ ضلع اوکاڑا) میں اپنے والد گرامی مولانا محی الدین لکھوی کی قائم کردہ مسجد میں خطیب ہیں اور دیگر دو مساجد کے مہتمم بھی ہیں۔

۵: محمد زید لکھوی: ایم۔ اے اسلامیات اور ایم۔ اے عربی۔ ڈی، پی، ایس اوکاڑا کے کالج سیکشن میں اسلامیات اور عربی کے اسسٹنٹ پروفیسر ہیں۔ پنجاب یونیورسٹی سے علوم اسلامیہ میں پی۔ ایچ۔ ڈی کر رہے ہیں۔ عربی مقالے کا عنوان ہے ''الموازنة بين العصر الحاضر و الجاهلى فى القيم الاخلاقيه الحربية'' وعظ وخطابت میں اپنے اسلاف کا نمونہ ہیں۔ ان کے خطبہ جمعہ کے لئے مختلف مقامات کے لوگ مہینوں قبل وعدے لے لیتے ہیں۔

خوانندگانِ محترم نے ملاحظہ فرمایا کہ مولانا محی الدین لکھوی کے سات بیٹے ہیں اور ساتوں اپنے ذی تکریم اسلاف کی طرح تدریسی خدمات میں مشغول ہیں۔ فرق صرف یہ ہوا ہے کہ ان کے اسلاف کی تدریس کا محور مساجد اور مدارس تھے، اس لیے کہ اس وقت تدریس کے اصل مراکز یہی دو مقام تھے، سکولوں اور کالجوں کی تعلیم سے لوگوں کا زیادہ تعلق نہ تھا۔ لیکن اب حالات میں ایسا تغیر رونما ہوا ہے کہ سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کی تعلیم بھی بنیادی اہمیت اختیار کر گئی ہے، اس لیے ان لوگوں نے بھی قدیم تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید انداز کی تعلیم حاصل کی اور سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں خدمت تدریس انجام دینے لگے۔ تاہم اس کے ساتھ مدارس ومساجد میں بھی اپنے اسلاف کی طرح ان کی خطابتی اور تدریسی سرگرمیاں باقاعدگی سے جاری ہیں۔ یعنی یہ سکولوں اور کالجوں میں بھی علوم اسلامیہ ہی کی تدریس میں سرگرم ہیں اور مساجد ومدارس میں بھی ان کے درس وتدریس اور تقریر وخطابت کے سلسلے جاری ہیں۔

اب آیئے مولانا معین الدین لکھوی کے صاحب زادگانِ گرامی کا پتا کرتے ہیں کہ وہ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں۔ یہاں یہ یاد رہے کہ یہ حضرت مولانا محمد جوناگڑھی دہلوی کے نواسے ہیں، یعنی علمی طور پر ددھیال اور ننھیال کی جانب سے نجیب الطرفین۔

یہ تین بھائی ہیں اور علی الترتیب ان کے نام یہ ہیں: مولانا بارک اللہ لکھوی، ڈاکٹر زعیم الدین عابد لکھوی اور ڈاکٹر عظیم الدین زاہد لکھوی۔

مولانا بارک اللہ لکھوی کا صبح سے شام تک زیادہ تر وقت جامعہ محمدیہ میں گزرتا ہے۔ اوکاڑا اور اس کے قرب وجوار کے بے شمار لوگ ان کے پاس آتے ہیں اور یہ ان کے لیے دعا اور دَم وغیرہ کرتے ہیں اور اللہ انھیں شفا عطا فرماتا ہے۔ دینی تعلیم کے علاوہ یہ ایم اے پاس ہیں۔ عمل وکردار اور وضع قطع میں اپنے اسلاف کا صحیح ترین نمونہ۔ بلکہ

وضع قطع کا تو یہ حال ہے کہ ان کے جن اسلاف کو میں نے دیکھا ہے، ان سب سے ماشاءاللہ بازی لے گئے ہیں۔ان سے چھوٹے دونوں بھائی ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہیں اور امراضِ قلب کے ماہر معالج۔ڈاکٹر زعیم الدین عابد کا کلینک اپنے مسکن اوکاڑا میں ہے اور کثیر تعداد میں مریض ان کے پاس آتے ہیں۔ مجھے متعدد لوگوں نے بتایا کہ وہ مالی اعتبار سے کم حیثیت مریضوں سے کوئی پیسا نہیں لیتے بلکہ ان کی مالی مدد کرتے ہیں۔ بہت سالوں سے ان کا معمول ہے کہ ہر انگریزی مہینے کے پہلے اتوار کو ضلع قصور کے قصبہ ''کھڈیاں خاص'' جاتے اور وہاں میڈیکل کیمپ لگاتے ہیں۔اپنی گاڑی پر آتے اور جاتے ہیں اور مریضوں کا مفت علاج ومعالجہ کرتے ہیں۔ بیماروں کا ایک ہجوم ان کے جانے سے پہلے ان کا منتظر ہوتا ہے۔ وہ ہر مریض کا اطمینان سے چیک اَپ کرتے ہیں۔شام تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے، کسی مریض سے کوئی پیسا نہیں لیتے۔سب کام فی سبیل اللہ کیا جاتا ہے۔اسی طرح ہر انگریزی ماہ کے دوسرے اتوار بہاول نگر جاتے ہیں۔ بہاول نگر میں میرے بہت سے دوست اور عزیز رہتے ہیں۔ان میں سے بعض کے مقررہ تاریخ کو صبح صبح مجھے ٹیلی فون آنا شروع ہوجاتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب آج یہاں تشریف لائیں گے، ہمارا نام لے کر ان سے کہہ دو کہ ہم بہ حیثیت مریض ان کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ یہ بہت بڑی معاشرتی اور دینی خدمت ہے جو مولانا معین الدین لکھوی کے فرزند گرامی ڈاکٹر زعیم الدین عابد فی سبیل اللہ انجام دے رہے ہیں۔ جب حدیث پاک کی رو سے مریض کی عیادت کرنا نیکی ہے تو ظاہر ہے اس کا مفت علاج کرنے کے لیے اس کے گھر پہنچنا بہت بڑی نیکی کا باعث ہوا۔

ڈاکٹر عظیم الدین زاہد کا بھی یہی حال ہے، اپنے ڈیرے اللہ آباد ضلع قصور میں تو وہ ہر روز مریضوں کو دیکھتے اور ان کا علاج کرتے ہیں۔ لیکن جمعرات کو صبح سے شام تک بالالتزام سلسلہ علاج جاری رہتا ہے۔علاوہ ازیں فری میڈیکل کیمپس کا سلسلہ مختلف علاقوں میں جاری رہتا ہے۔ ملک بھر کے آفت زدہ علاقوں میں میڈیکل ٹیموں کے ہمراہ طبی خدمات سرانجام دینا بھی ان کے معمولات میں شامل ہے۔

میں لاہور کے علاقہ سانده میں رہتا ہوں۔ یہاں کے رہنے والے ایک شخص محمد سلیم نے مجھے بتایا کہ ان کی بیوی پر مرضِ قلب کا حملہ ہوگیا۔ہسپتال میں گئے تو ڈاکٹروں نے کہا بائی پاس آپریشن ہوگا، اس پر جو کچھ خرچ اُٹھے گا اس کے متعلق سن کر محمد سلیم صاحب گھبرا گئے۔ اب وہ ڈاکٹر عظیم الدین زاہد لکھوی سے ملے اور ان سے بات کی تو اُنھوں نے متعلقہ ڈاکٹروں سے رابطہ کیا اور مسئلہ حل ہوگیا۔آپریشن پر کوئی پیسا خرچ نہیں ہوا۔

اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے، یہ اپنے اسلاف کی طرح تدریس سے لے کر جسمانی اور روحانی علاج تک لوگوں کی خدمت کررہے ہیں۔

یہاں یہ بھی عرض کردیں کہ تقسیم ملک سے قبل لکھوکے میں جہاں اس عالی قدر خاندان کے علماء مسجدوں اور مدرسوں میں طلباء کو تعلیم دیتے تھے، وہاں سرکاری سکولوں میں بھی ان میں سے بعض لوگ بہ طور معلم خدمت انجام دیا کرتے تھے۔اس وقت مجھے پانچ حضرات کے نام یاد آرہے ہیں: (۱) مولوی حیدر علی لکھوی (۲) مولوی عبدالرحمان لکھوی (۳) مولوی قدرت اللہ لکھوی (۴) مولوی عبدالغفار لکھوی اور (۵) ماسٹر عبداللطیف۔

اب استاذِ پنجاب حضرت مولانا عطاء اللہ لکھوی کی اولاد واحفاد کی تدریسی خدمات کی ایک جھلک!

حضرت مولانا ممدوح کے چار بیٹے تھے۔ بہ ترتیب ولادت ان کے نام یہ تھے:

مولانا عبدالرحمان، مولانا حبیب الرحمان، حافظ شفیق الرحمان اور حافظ عزیز الرحمان۔ان میں سے مولانا عبدالرحمان لکھوی کا تقسیم ملک سے پہلے بھی پنجاب کے بعض مدارس میں سلسلہ تدریس جاری رہا اور بعد میں بھی۔ پھر یہی خدمت انجام دیتے ہوئے اُنھوں نے وفات پائی۔ان کے چار بیٹے ہیں دو ایم بی بی ایس ڈاکٹر، ایک ریٹائرڈ کرنل اور ایک عالم دین۔

استاذِ پنجاب مولانا عطاء اللہ لکھوی کے دوسرے بیٹے مولانا حبیب الرحمان لکھوی تھے۔اپنے آباء واَجداد کی طرح اُنھوں نے بھی تا دمِ حیات درس وتدریس کو اپنا معمول قرار دیے رکھا۔صرف ۵۸ برس عمر پا کر طویل علالت کے بعد ۲۰ مئی ۱۹۷۳ء کو فوت ہوئے۔ان کے تین بیٹے ہیں۔ایک مولانا حفیظ الرحمان لکھوی جو بے حد شائق تدریس اور اس موضوع کی سرگرم شخصیت ہیں۔ مدینہ یونیورسٹی کے فاضل ہیں۔لاہور میں ان کی رہائش ہے اور اس لکھوی عالم دین نے لاہور میں تین مدرسے جاری کر رکھے ہیں، ایک علاقہ نواب صاحب رضا آباد میں جامعہ ابن تیمیہ۔ دوسرا ملتان روڈ پر موضع سندر میں اور ایک چوبرجی کے علاقے میں۔ان مدارس میں کئی فاضل مدرس فرائض تدریس انجام دے رہے ہیں اور خاصی تعداد میں طلباء حصول علم میں مشغول ہیں۔''نداء الجامعۃ'' کے نام سے ماہانہ مجلّہ بھی جاری ہے۔

مولانا حبیب الرحمان لکھوی کے دوسرے بیٹے مولانا خلیل الرحمان لکھوی ہیں۔ فاضل مدینہ یونیورسٹی۔ مدیر معہد القرآن الکریم کراچی۔تیسرے بیٹے ہیں ڈاکٹر مجیب الرحمان لکھوی ایم بی بی ایس۔

حضرت مولانا عطاء اللہ لکھوی کے تیسرے بیٹے حافظ شفیق الرحمان لکھوی اللہ کی مہربانی سے حیات ہیں۔ وہ رینالہ خورد (ضلع اوکاڑا) میں پڑھاتے ہیں۔ ان کے مدرسے کا نام ہے جامعہ ابوہریرہ۔اپنے گاؤں چک نمبر ۱۸ میں امامت وخطابت کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ان کے تین بیٹے تھے۔ایک پروفیسر خلیق الرحمان لکھوی۔ یہ درس نظامی کے فاضل تھے اور پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے اسلامیات کیا اور ایک سرکاری کالج میں عربی پڑھانے لگے۔اچھے خطیب اور مقرر تھے۔عین عالم جوانی میں ۵ ستمبر ۲۰۰۴ء کو اپنے گاؤں چک ۱۸ میں وفات پا گئے۔ جنازہ مولانا معین الدین لکھوی نے پڑھایا۔ میں اور حافظ احمد شاکر نمازِ جنازہ میں شامل تھے۔حافظ شفیق الرحمان لکھوی کے دوسرے بیٹے کا نام مولانا رفیق الرحمان لکھوی ہے۔ یہ مدینہ یونیورسٹی کے فاضل ہیں اور آج کل شارجہ میں دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ حافظ صاحب موصوف کے تیسرے بیٹے مولانا سعید الرحمان لکھوی ہیں۔ فاضل درسِ نظامی اور جامعہ ابوہریرہ رینالہ خورد میں خدمتِ تدریس میں مشغول۔

حضرت مولانا عطاء اللہ لکھوی کے چوتھے فرزند گرامی حافظ عزیز الرحمان لکھوی تھے۔ عالم و فاضل اور لائق مدرس۔ اُنھوں نے ۱۹۶۱ میں رینالہ خورد میں مدرسہ محمدیہ جاری کیا تھا، جسے جامعہ محمدیہ اوکاڑا کی شاخ قرار دیا جاتا تھا، اسی ادارے کا نام آج کل جامعہ ابوہریرہ ہے۔وہ ۲۲ دسمبر ۱۹۹۱ء کو چک نمبر ۱۸ میں فوت ہوئے۔عمر بھر درس وتدریس سے وابستہ رہے۔ان کے تین بیٹے ہیں۔ایک حافظ حفظ الرحمان لکھوی جو جامعہ ابوہریرہ رینالہ خورد کے ناظم ہیں اور بی اے پاس ہیں۔ دوسرے بیٹے ہیں ذکی الرحمان لکھوی، ان کا تعلق جماعت الدعوۃ سے ہے۔ ۲۶ دسمبر ۲۰۰۸ء کو بمبئی میں پیش آنے والے واقعہ کے بعد اُنھوں نے پوری دنیا میں شہرت پائی۔تیسرے بیٹے کا نام وحید الزمان لکھوی ہے۔سنا ہے ان کا تعلق بھی جماعت الدعوۃ سے ہے۔ ان دونوں بھائیوں کی تعلیمی قابلیت اور تدریسی خدمات کا مجھے علم نہیں۔

لکھوی خاندان کے ایک عالم مولانا صلاح الدین حیدر لکھوی ہیں۔ اُنھوں نے درس نظامی کی تکمیل کے بعد مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور وہاں کا نصاب تعلیم مکمل ہوا تو انھیں دارالافتاء ریاض کی طرف سے بہ طور مبعوث افریقی ملک نائیجیریا بھیج دیا گیا۔ وہاں

اُنھوں نے تدریسی خدمات بھی سرانجام دیں، تقریری صورت میں بھی کام کیا اور عربی اور انگریزی میں مختلف موضوعات پر کتابیں بھی تصنیف کیں۔

خانوادۂ لکھویہ کی ایک قابل ذِکر شخصیت پروفیسر ڈاکٹر محمد حسین لکھوی ہیں، جو مولانا صلاح الدین حیدر لکھوی کے بھتیجے ہیں۔ وہ طویل مدت سے جامعہ ابوبکر اسلامیہ (کراچی) میں بہ حیثیت استاذ کام کر رہے ہیں۔ اُنھوں نے جس موضوع پر پی۔ ایچ۔ ڈی کی، وہ موضوع ہے ''برصغیر پاک و ہند میں لکھوی خاندان کی علمی، دینی اور سیاسی خدمات''۔ یہ ایک اہم موضوع ہے۔ ڈاکٹر صاحب ممدوح اس سلسلے میں اس فقیر سے بھی ملتے رہے۔ میں نے اپنی محدود معلومات کے مطابق نہایت مسرت کے ساتھ ان سے تعاون کرنے کی کوشش کی۔ اس کا تذکرہ اُنھوں نے اپنے مقالے میں کیا ہے، جس پر میں ان کا شکر گزار ہوں۔

طلبہ کی تعلیم کے علاوہ لکھوی حضرات کی نگرانی میں طالبات کی تعلیم کا سلسلہ بھی کئی سال سے جاری ہے، اوکاڑا میں دو مدارس جامعہ محمدیہ للبنات اور مدرسہ تعلیم الصالحات، ایک رینالہ خورد میں جامعہ عائشہ اور ایک مدرسہ دیپال پور میں پروفیسر سرفراز احمد لکھوی کی زیر نظامت مرکز تعلیم القرآن والسنہ کے نام سے خدمات سرانجام دے رہا ہے، جس کی طلبہ اور طالبات کے لیے دو الگ الگ شاخیں ہیں۔ ایک مدرسہ للبنات مولانا منیر الدین لکھوی کے اہتمام میں چک نمبر ۱۸ نزد رینالہ خورد میں جاری ہے۔

لائق احترام قارئین غور فرمائیں اس خاندان کی علمی خدمات کا دائرہ کس قدر وسعت پذیر ہے۔ پاکستان میں بھی ان کے علمائے کرام درس و تدریس میں مصروف ہیں اور پاکستان کے باہر بھی بعض ممالک میں ان کی جہود علمیہ اپنا جلوہ دکھا رہی ہیں۔ ان کی وضع قطع اور دینی حالت بھی اللہ کے فضل سے اپنے بزرگوں کی طرح ہے۔ ان کے عقیدت مندوں کی بہت بڑی تعداد ملک اور بیرون ملک موجود ہے۔ یہ لوگ ان لکھوی حضرات سے رابطہ بھی رکھتے ہیں اور ان سے مختلف پہلوؤں سے دینی و دنیوی رہنمائی کے علاوہ اپنے نکاح اور جنازے پڑھوانے میں سعادت سمجھتے ہیں۔

تاریخ اور عمرانیات کے ماہر علامہ ابن خلدون نے ایک نظریہ ایجاد کیا ہے، جسے وہ نظریہ جیل قرار دیتے ہیں۔ ''جیل'' کے معنی ہیں مدت اور زمانہ یا گروہ (جنریشن) یعنی کوئی ایسا خاندان یا قبیلہ جس میں حکمرانی یا کسی تعلیمی سلسلے وغیرہ کا آغاز کیا گیا ہو، اس کی مدت کو ابن خلدون نے چار اجیال پر تقسیم کیا ہے۔ جیل دس سال کی بھی ہوسکتی ہے اور تیس یا اس سے زیادہ سال کی بھی۔ لیکن ابن خلدون نے اسے چالیس سال کی قرار دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس قبیلے یا گروہ سے اس کا آغاز ہوا ہے، وہ تو اپنے شروع کردہ اس اہم کام کی پوری حفاظت کریں گے اور اس کے ارتقا کے لیے کوشاں ہوں گے۔ دوسری جیل کے لوگ بھی جنھوں نے پہلے گروہ کو دیکھا یا ان کے ساتھ کام کیا، وہ بھی اس کی حفاظت اور ترقی کے لیے جدوجہد کریں گے۔ تیسری جیل اس سلسلے میں سستی کا شکار ہو جائے گی اور چوتھی جیل میں یا تو معاملہ ختم ہو جائے گا یا اس میں اتنی کمزوریاں اُبھر آئیں گی کہ سلسلہ اختتام کی حدوں کے قریب جا پہنچے گا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ لکھوی خاندان کے علماء نے ابن خلدون کے اس نظریے کی تغلیط کردی۔ اُنھوں نے تین سو سال قبل تدریس کا جو سلسلہ نہایت محدود پیمانے پر چند گھروں کی ایک چھوٹی سی بستی میں شروع کیا تھا، وہ بڑے بڑے مشہور شہروں بلکہ ملکوں میں پہنچا اور آثار بتاتے ہیں کہ ان شاء اللہ مزید ترقی کی منزلیں طے کرے گا۔

ان سطور میں ان حضرات کی سیاسی خدمات کا میں نے تذکرہ نہیں کیا، اپنی گزارشات کو تصنیفی و تدریسی اور خطابتی خدمات تک محدود رکھا ہے، وہ بھی نہایت اختصار کے ساتھ۔ ان خدمات میں پنجاب بلکہ کہنا چاہیے کہ برصغیر کا کوئی اہل حدیث خاندان ان کا حریف نہیں ہے۔

اصلاح احوال

عالم اسلام کی زبوں حالی

بنیادی سبب اور اس کا حل

ریاض عاقب اثری

آج عالم اسلام مختلف مشکلات کا شکار ہے۔اکثر مسلم ممالک کسمپرسی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔اہل اسلام کے خلاف عالم کفر متحد ہو چکا ہے۔مغربی استعمار مسلمانوں کی جمعیت پارہ پارہ کرنے میں مشغول ہے۔

ہندو بنیا عرصہ دراز سے نہتے کشمیریوں کا ناحق خون بہا رہا ہے۔اسرائیل امریکی آشیر باد سے فلسطینیوں پر عرصہ حیات تنگ کیے ہوئے ہے۔امریکا نیٹو فورسز کے ہمراہ افغانستان و عراق میں ڈیرے ڈالے ہوئے ہے۔شام میں بے گناہ اہل ایمان اور معصوم بچوں کو موت کی نیند سلا دیا گیا۔وطن عزیز پاکستان میں قتل و غارت، خودکش اور ڈرون حملوں کا بازار گرم ہے۔

دنیا کے چپے چپے پر اگر کہیں پریشان حال ہیں تو وہ مسلمان ہیں۔آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ کیا مسلمانوں کی تعداد کم ہے؟ کیا ہمارے پاس وسائل کی کمی ہے؟

آج ڈیڑھ ارب سے زائد مسلمان خطہ ارضی پر موجود ہیں۔اٹھاون اسلامی ممالک ہیں۔اکثر مسلم ممالک معدنیات کی دولت سے مالا مال ہیں۔پوری دنیا میں جتنا پٹرول استعمال ہو رہا ہے اس کا ستر فیصد اسلامی ممالک سے پورا ہو رہا ہے۔

زراعت و معدنیات کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے وطن عزیز پاکستان کو بھی بے حد نوازا ہے۔گندم، چاول، متنوع اقسام کے پھل، زعفران، اور پٹ سن وغیرہ میں ہم خود کفیل ہیں۔لیکن اس کے باوجود ہم کشکول گدائی لے کر آئی ایم ایف کا طواف کرتے ہیں۔دنیا کی بہترین بندرگاہیں ہمارے پاس ہیں۔دنیا کے دو براعظموں (یورپ و افریقہ) کو آپس میں ملانے والی نہر سویز بھی مسلمانوں کے پاس ہے لیکن صد افسوس کہ انھی راستوں سے گزر کر اغیار ہمارے خلاف سازشیں اور تخریب کاریاں کرتے ہیں۔ہم اتنے لاچار بن چکے ہیں کہ ان سے پیسے وصول کر کے ان کو بغیر کسی تحقیق و تفتیش کے اپنے ممالک میں کھلے عام گھومنے کی اجازت فراہم کر رہے ہیں۔ہمارے ملک کی حالت ہمارے سامنے ہے کہ کس طرح سماج دشمن عناصر و شیطان صفت درندے ہماری شہروں میں بلاخوفِ خطر دندناتے پھرتے ہیں۔انھیں کوئی پوچھنے والا ہی نہیں۔

آج ہم دہشت گردی کو سب سے بڑا مسئلہ سمجھتے ہیں۔کیا ہمارے ارباب حل وعقد نے دہشت گردی کے اصل اسباب پر غور وفکر کیا۔ان دہشت گردوں کو ہر قسم کے وسائل مہیا کرنے والا کون ہے؟

آج عسکری اعتبار سے بھی مسلم ممالک مضبوط ہیں۔ہمارا ملک الحمد للہ دنیا کی بہترین فوج رکھتا ہے، جوہری ہتھیار کی قوت اس پر مستزاد ہے۔۱۹۶۵ء اور آج کے پاکستان میں بڑا فرق ہے۔اس وقت ہماری عسکری قوت اور اسلحہ نہ ہونے کے برابر تھا لیکن قوت ایمانی اور جذبہ صادق تھا۔آج صورت حال بہت مختلف ہے مگر پھر بھی دشمن سے خوف زدہ ہیں۔

آج جہاد کشمیر کو دہشت گردی قرار دے دیا گیا ہے۔افغانستان کو ہمارے خلاف کر دیا گیا ہے۔یہ کیسا طرفہ تماشا ہے کہ مسلمان اگر اپنے حقوق کے لیے علم جہاد بلند کرے تو وہ دہشت گرد قرار پائے اور اگر غیر مسلم مسلمانوں کے خلاف جنگ لڑیں اور انھیں کچل دیں تو وہ امن

کے اعزازات سے نوازے جائیں......!!!

کیا ہم نہیں جانتے کہ سوڈان میں عیسائیوں نے امریکا کی پشت پناہی میں نہتے مسلمانوں پر مظالم ڈھا کر جنوبی سوڈان کا خطہ حاصل کیا اور وہاں عیسائیوں کی آبادکاری کی۔ ان درندوں کو کسی نے دہشت گرد قرار نہیں دیا!

ہندوکشمیر کے مسلمانوں پر اور اسرائیل فلسطین کے مسلمانوں پر آتش و آہن کی بارش برسا رہا ہے۔ ان ظالموں کو کسی نے بھی دہشت گرد قرار نہیں دیا۔ لیکن مسلمان اگر اپنے حقوق کے لیے بندوق اُٹھائیں تو وہ دہشت گرد قرار پاتے ہیں، بہ قول اکبر ؎

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

مسلمان کی ایسی دگرگوں حالت کیوں ہے؟ آیئے رسول اکرم ﷺ کے فرمان کی روشنی میں اس کا جائزہ لیتے ہیں۔ جناب ثوبان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ایسا وقت آنے والا ہے کہ دوسری اُمتیں تمھارے خلاف ایک دوسرے کو بلائیں گی جیسے کہ کھانے والے اپنے پیالے پر ایک دوسرے کو بلاتے ہیں۔'' کسی نے پوچھا: کیا اس وقت ہم تعداد میں کم ہوں گے ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''(نہیں) بلکہ تم ان دنوں بہت زیادہ ہوگے لیکن سیلاب کے جھاگ جیسے ہوگے۔ اللہ تعالیٰ تمھارے دشمن کے سینوں سے تمھاری ہیبت نکال دے گا اور تمھارے دلوں میں ''وھــــن'' ڈال دے گا۔'' پوچھا: اے اللہ کے رسول! ''وھن'' سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''دنیا کی محبت اور موت کی کراہت۔'' (مسند احمد: ۵/ ۲۷۸، سنن ابی داود: ۴۲۹۷۔ مسند الشامیین: ۱/ ۳۴۵ وسندہ حسن)

یہ حدیث عصر حاضر کے حالات پر پوری طرح منطبق ہوتی ہے کہ آج ہم تعداد میں بہت زیادہ ہیں لیکن سمندر کی جھاگ کی مانند ہیں دشمن بے خوف و بے باک ہو چکا ہے۔ ہمارے دشمنوں کے دل ہمارے رُعب و دبدبے سے خالی ہو چکے ہیں۔ ایک وقت تھا جب دشمن ہمارا نام سن کر کپکپا اُٹھتا تھا، مشرق و مغرب پر ہمارا کنٹرول تھا۔ ؎

مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری
تھمتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا

آج کا مسلمان مادہ پرست بن چکا ہے۔ ہمیں حقوق اللہ و حقوق العباد کی مطلق پروا نہیں۔ عبادت الٰہی سے یکسر غافل۔ موت کو ہم ناپسند کرتے ہیں۔ صبح و شام کتنے جنازے ہم اُٹھتے دیکھتے ہیں اور اپنے کندھوں سے میتیں لحد میں اُتارتے ہیں اس سب کے باوجود آخرت سے غافل ہیں۔ قوت ایمانی سے محرومی اور بدعملی ہی ہماری محکومی اور ذلت و پستی کا بنیادی سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو اہل ایمان سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے:

﴿وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ [آل عمران: ۱۳۹]

''نہ تم سستی کرو اور نہ تم غم کرو، تمھی غالب رہو گے، اگر تم ایمان دار ہو۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کامیابی اور غلبہ کی بنیاد واضح کر دی اور وہ ہے قوت ایمانی۔ اگر قوت ایمانی موجود ہے تو پھر کوئی دشمن مسلمانوں کو زیر نہیں کر سکتا۔



توجہ طلب

گزشتہ شمارہ نمبر (۱۶) میں حکیم آفتاب احمد قرشی کا شامل اشاعت مضمون بہ عنوان ''مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری'' روزنامہ ''وفاق'' (۲۳ مارچ ۱۹۷۹ء) سے لیا گیا تھا۔ مضمون کا ماخذ سہواً طبع ہونے سے رہ گیا تھا جس پر ادارہ معذرت خواہ ہے۔ قارئین کرام ریکارڈ کی درستی فرمالیں اور مضمون کو روزنامہ ''وفاق'' کے شکریے کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں۔ (ادارہ)

تبصرۂ کتب

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

رسول اللہ ﷺ کے کریمانہ آداب زندگی

تصنیف: حافظ ابوبکر احمد بن حسین البیہقی

ضخامت: ۵۶۸ صفحات

طابع و ناشر: دار الکتب السّلفیہ، اردو بازار، لاہور

تبصرہ نگار: ملک عصمت اللہ

انسان کو اپنی پیدائش کے وقت سے وفات تک بلکہ اس کے بعد بھی، متعدد احوال و واقعات سے سابقہ رہتا ہے۔ ان احوال و واقعات سے گزرنے سے رہن سہن اور معاشرت کے طور طریقے بنتے ہیں۔ ان طور طریقوں کی اجتماعیت سے کسی قوم کی تہذیب و ثقافت جنم لیتی ہے۔ جب تک کوئی قوم بام عروج پر ہوتی ہے، اسے اپنی تہذیب و ثقافت سے اُنس اور لگاؤ باقی رہتا ہے اور جب زوال پذیر ہوتی ہے تو وہ احساس کمتری کا شکار ہو جاتی ہے جس کا مداوا اَغیار کی تہذیب و ثقافت کے سائے میں ڈھونڈتی ہے اور اغیار کی نقالی کو ہی باعث فخر سمجھتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ ہمارے سروں پر آج کل مغربی تہذیب کی نقالی کا بھوت سوار ہے۔

مغربی تہذیب و ثقافت فحاشی اور عریانی کا مرقع ہے۔ اس کی نقالی انسان کو انسانیت سے گرا کر حیوانیت کی سطح تک تو لے جا سکتی ہے مگر انسانیت کے اعلیٰ درجہ پر فائز نہیں کر سکتی۔ یہ خوبی صرف اسلامی تہذیب و ثقافت ہی میں ہے۔

امام بیہقی ؒ، جو پانچویں صدی کے مایہ ناز محدث اور بلند پایہ فقیہ تھے، اس حقیقت سے بہ خوبی آگاہ تھے۔ اس لیے اُنھوں نے اسلامی تہذیب و ثقافت اور طرز معاشرت کے تحفظ کا بیڑا اُٹھایا۔ اُنھوں نے ۳۲۰ مختلف عنوانات کے تحت ۲۰ کتب احادیث میں سے ۱۰۹۵ اَحادیث کا انتخاب کر کے ''الآداب'' نامی کتاب ترتیب دی جس کا اردو ترجمہ انڈیا کے جید عالم مولانا زبیر احمد سلفی نے کیا ہے۔ ترجمہ نہایت شستہ اور رواں ہے۔ کتاب کی اہمیت کے پیش نظر اس کی تخریج و تصحیح جناب عبدالرحیم بلتستانی نے کی ہے۔ احادیث کی صحت وضعف کی پہچان کے لیے محدث العصر علامہ البانی ؒ کی تحقیقات پر اعتماد کیا گیا ہے اور عامۃ الناس کے لیے روایت کا تحقیقی حکم بھی انھی کا درج کر دیا گیا ہے جس سے کتاب کی قدر و قیمت میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔

خوب صورت گرد پوش ٹائٹل اور مضبوط جلد اس کتاب کی اضافی خوبیاں ہیں۔



''قاری عبدالوکیل صدیقی'' نمبر

قاری عبدالوکیل صدیقی ؒ مہتمم جامعہ محمدیہ خان پور ضلع رحیم یار خان کی حیات و خدمات پر ان کی یاد میں مجلّہ تفہیم الاسلام احمد پور شرقیہ ضلع بہاولپور کے ایڈیٹر جناب حمید اللہ خان عزیز نے ایک نمبر شائع کیا ہے۔ اس کا نام اُنھوں نے ''بطل حریت علامہ قاری عبدالوکیل صدیقی خان پوری ؒ احوال، آثار اور افکار و سوانح'' رکھا ہے۔

ملنے کا پتا: حمید اللہ خان عزیز ایڈیٹر مجلّہ تفہیم الاسلام توحید منزل محلّہ رحمان آباد، سٹریٹ الفلاح بنک والی احمد پور شرقیہ ضلع بہاول پور

موبائل: 0302-2186601

فهرست اردو کتب

محمد عطاء اللہ حنیف لائبریری

دارالدعوۃ السلفیہ، لاہور

۲۹۷ء۸۹۳ مختلف علماء اکرام

م ل احتساب قادیانیت جلد (۱۵) ص: ۴۹۵۔ تحفظ ختم نبوت، حضوری باغ روڈ، ملتان۔

۱۔سید حسین احمد مدنی۔الخلیفۃ المهدی۔

۲۔احمد علی لاہوری۔مسلمانوں کے مرزائیت سے نفرت کے اسباب اور مرزا کے متضاد اقوال۔

۳۔مفتی محمود۔ملت اسلامیہ کا موقف۔

۴۔مفتی محمود۔المتنبی القادیانی من ہو؟

۵۔مولانا غلام غوث ہزاروی۔جواب محضرنامہ۔

۶۔غلام غوث ہزاروی۔لاہوری مرزائیوں کے محضرنامہ کا جواب۔

۲۹۷ء۸۹۳ محمد علی جالندھری

ل احتساب قادیانیت جلد (۱۶) ص: ۵۷۶۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضوری باغ روڈ، ملتان۔

① محمد علی جالندھری:

۱۔تحقیقاتی عدالت ۱۹۵۳ میں تحریری بیان۔

۲۔مرزائیوں سے ہائی کورٹ کے سات سوالات، مرزائیوں کے مغالطہ آمیز جوابات کا جواب الجواب۔

② محمد یوسف بنوری:

۳۔تعارف اکفاء الملحدین۔

۴۔مقدمہ عقیدۃ الاسلام۔

۵۔نزول مسیح کا عقیدہ اسلامی اُصول کی روشنی میں۔

۶۔فتنہ قادیانیت اور اُمت مسلمہ کی ذمہ داریاں۔

۷۔عقیدہ ختم نبوت۔

۸۔مجلس تحفظ ختم نبوت کے امراء کی وفیات پر تعزیتی شذرات۔

۹۔تحریک ختم نبوت اور اُس کے بعد قادیانی فتنہ کی صورت حال۔

۱۰۔سفر مشرقی افریقہ۔

③ تاج محمود:

۱۔قادیانی مذہب وسیاست۔

۲۔آزاد کشمیر اسمبلی کی قرار داد پر مرزائیوں کے پروپیگنڈا کا مسکت جواب۔

۳۔متن پریس کانفرنس ۲۷مئی ۱۹۷۳ء۔

۴۔قادیانی سازشوں کا نوٹس لیجیے۔

۵۔مرزائی اسرائیلی فوج میں۔

④ محمد شریف جالندھری:

۱۔جداگانہ انتخابات اور قادیانی۔

۲۔تعارف مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان۔

۳۔مرزائی تعلیمات میں محمد واحمد بمعنی غلام احمد قادیانی۔

۴۔قادیانیوں کے متعلق اُمت مسلمہ کے تقاضے۔

۵۔اکھنڈ بھارت اور مرزائی۔

۶۔اسلامی نظام کی علمبردار اور حکومت پاکستان۔

۷۔قادیانیوں کے اصل عقائد بجواب جماعت احمدیہ کے عقائد۔

⑤ عبدالرحیم اشعر:
۱۔جلسہ سیرت النبی اور قادیانی گروہ۔
۲۔مرزا غلام احمد قادیانی کی آسان پہچان۔
۳۔مرزائیت علامہ اقبال کی نظر میں۔
۴۔بیرونی ممالک میں قادیانی تبلیغ اسلام کی حقیقت۔
۵۔مرزائیوں کا بہت بڑا فریب۔

۲۹۷ء۸۹۳ عبدالغنی پٹیالوی
ع ل احتساب قادیانیت جلد (۱۷) ص: ۶۳۲۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، حضور باغ روڈ، ملتان۔
۱۔ھدایة الممتری عن غوایة المفتری یعنی اسلام اور قادیانیت ایک تقابلی مطالعہ۔
۲۔نور محمد خان۔اختلافات مرزا۔
۳۔نور محمد خان۔کفریات مرزا۔
۴۔نور محمد خان۔کذبات مرزا۔
۵۔نور محمد خان۔مغلظات مرزا۔
۶۔نور محمد خان۔کرشن قادیانی آریہ تھے یا عیسائی۔

۲۹۷ء۸۹۳ محمد منظور نعمانی
م ل احتساب قادیانیت جلد (۱۸) ص: ۵۳۲۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، حضوری باغ روڈ، ملتان۔
۱۔محمد منظور نعمانی۔قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ
۲۔محمد منظور نعمانی۔قادیانی کیوں مسلمان نہیں۔
۳۔محمد منظور نعمانی۔مسئلہ نزول مسیح وحیات مسیح علیہ السلام۔
۴۔محمد منظور نعمانی۔کفر و اسلام کے حدود اور قادیانیت۔
۵۔محمد یعقوب پٹیالوی۔تحقیق لاثانی۔
۶۔محمد یعقوب پٹیالوی۔عشرہ کاملہ۔
۷۔علامہ نصیری بھیروی۔بارقہ فیغمیہ۔

۲۹۷ء۸۹۳ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی
م ل احتساب قادیانیت جلد (۱۹) ص: ۵۹۲۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، حضوری باغ روڈ، ملتان۔
۱۔محمد ابراہیم میر سیالکوٹی۔فبہت الذی کفر۔
۲۔محمد ابراہیم میر سیالکوٹی۔الخبر الصحیح عن قبر المسیح علیہ السلام۔
۳۔محمد ابراہیم میر سیالکوٹی۔قادیانی مذہب مع ضمیمہ جات خلاصہ مسائل قادیانیہ۔
۴۔محمد ابراہیم میر سیالکوٹی۔صدائے حق۔
۵۔محمد ابراہیم میر سیالکوٹی۔فیصلہ ربانی برمرگ قادیانی
۶۔محمد ابراہیم میر سیالکوٹی۔ختم نبوت اور مرزائے قادیان
۷۔محمد ابراہیم میر سیالکوٹی۔فص خاتم النبوة بعموم وجامعة الشریعة۔
۸۔محمد ابراہیم میر سیالکوٹی۔کشف الحقائق (روداد مناظرات قادیانیہ)
۹۔محمد ابراہیم میر سیالکوٹی۔امام زماں مہدی منتظر، مجدد دوراں۔
۱۰۔محمد ابراہیم میر سیالکوٹی۔کھلی چٹھی (۲)۔
۱۱۔محمد ابراہیم میر سیالکوٹی۔تردید مغالطات مرزائیہ (۲)
۱۲۔محمد ابراہیم میر سیالکوٹی۔مسئلہ ختم نبوت۔
۱۳۔مفتی عبداللطیف رحمانی۔اغلاط ماجدیہ (قادیانی)۔
۱۴۔مفتی عبداللطیف رحمانی۔تذکرہ سیدنا یونس علیہ السلام۔
۱۵۔ظہور احمد بگوی۔برق آسمانی برخرمن قادیانی۔

۲۹۷ء۸۹۳ محمد مسلم عثمانی دیوبندی
م ل احتساب قادیانیت جلد (۲۰) ص: ۶۴۰۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضوری باغ روڈ، ملتان۔
۱۔محمد مسلم دیوبندی۔مسلم پاکٹ بک۔
۲۔قاضی فضل احمد۔کلمہ فضل رحمانی۔
۳۔قاضی فضل احمد۔جمعیت خاطر۔

پیوستہ رہ شجر سے، اُمید بہار رکھ!

ڈالی گئی جو فصل خزاں میں شجر سے ٹوٹ
ممکن نہیں ہری ہو سحابِ بہار سے
ہے لازوال عہد خزاں اس کے واسطے
کچھ واسطہ نہیں ہے اسے برگ و بار سے
ہے تیرے گلستاں میں بھی فصل خزاں کا دور
خالی ہے جیب گل زرِ کامل عیار سے
جو نغمہ زن تھے خلوتِ اوراق میں طیور
رخصت ہوئے ترے شجر سایہ دار سے
شاخِ بریدہ سے سبق اندوز ہو کہ تو
نا آشنا ہے قاعدہ روزگار سے
ملت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ
پیوستہ رہ شجر سے ، اُمید بہار رکھ!

(علامہ محمد اقبالؔ)